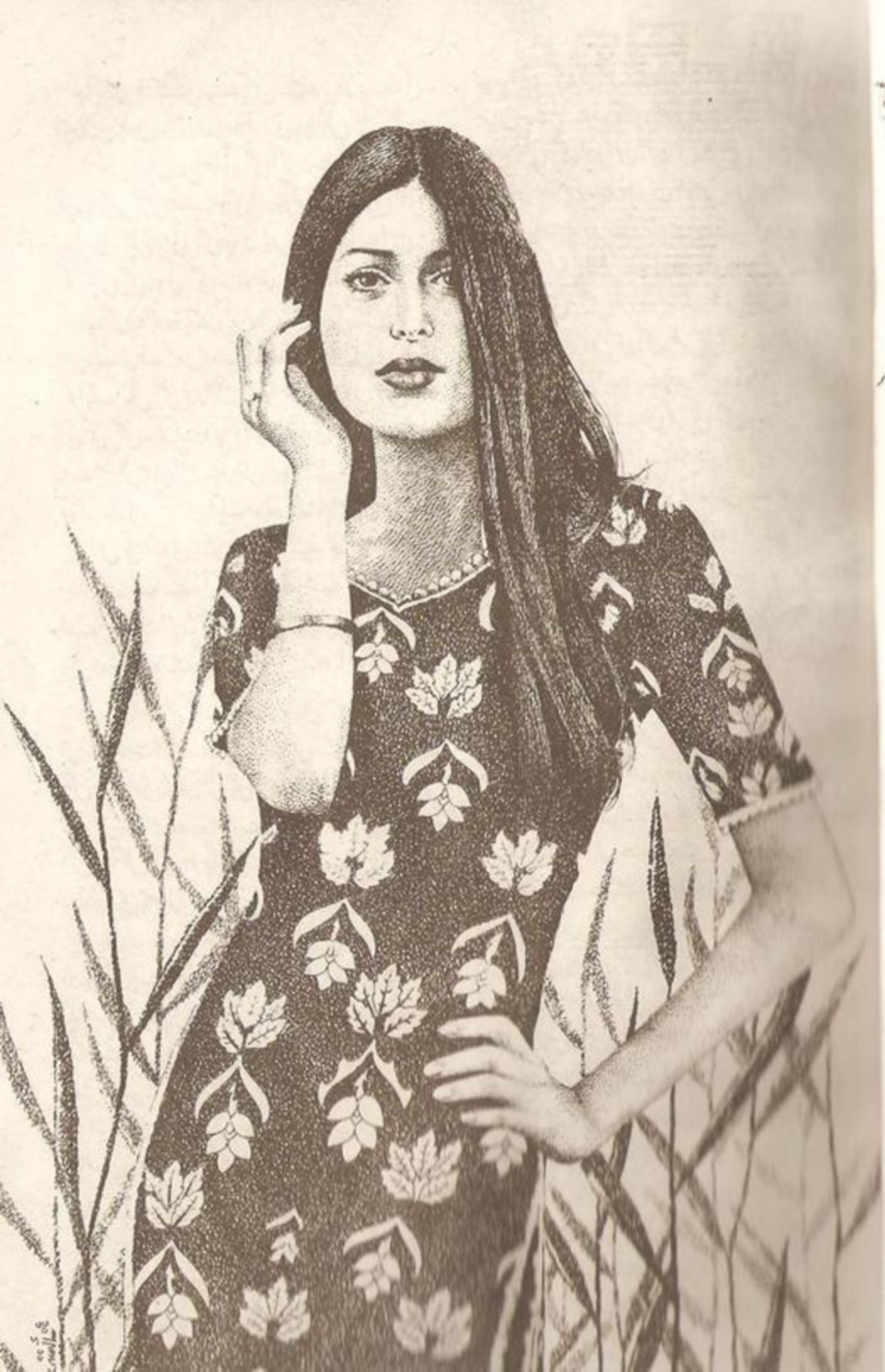

نگہت عبداللہ

آنکھ مچولی

مکمل ناول

روزانہ کی طرح فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ سیدھی کچن میں آگئی۔ ناشتے کے ساتھ ساتھ عارف کے لیے پرہیزی کھانا بھی تیار کر کے ٹفن میں بند کیا' پھر اماں کا ناشتا ان کے کمرے میں پہنچا کر جلدی جلدی تیار ہونے لگی آج اسکول میں سالانہ فنکشن تھا اس لیے اسے جلدی جانا تھا اور جلدی جلدی کرتے بھی آٹھ بج گئے تھے۔

"اماں! ٹفن تیار رکھا ہے۔ عارف سے کہیے گا مجھے آج کچھ دیر ہو جائے گی اور ہاں میرے آنے تک آپ اسپتال میں ہی رہیے گا۔ عارف اکیلے پریشان ہو جاتے ہیں۔" وہ اپنے پرس کا جائزہ لیتے ہوئے اماں سے بولی تو وہ پوچھنے لگیں۔

"اسکول سے کہیں اور جاؤ گی کیا؟"

"اور کہاں جاؤں گی۔" وہ یوں بولی جیسے اب یہی تو اس کا ٹھکانا ہے۔

"میکے اپنی امی کے پاس؟" اماں نے کہا تو وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔

"نہیں اماں! ادھر پھر کسی دن چکر لگالوں گی۔ آج تو

UrduPoint.com

اسکول میں فنکشن ہے۔ اس لیے دیر ہو جائے گی۔ اچھا میں چلوں۔" وہ خدا حافظ کہتی باہر نکل آئی تھی

اسکول جہاں وہ پڑھاتی تھی اگر بہت دور نہیں تھا تو قریب بھی نہیں تھا۔ پھر بھی اگر وہ گھر سے جلدی نکلتی تو پیدل ہی چل پڑتی تھی ورنہ بس سے جاتی۔ اس کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ جلدی نکلے۔ کیونکہ بس کا کرایہ بھی وہ افورڈ نہیں کر پا رہی تھی۔ پتا نہیں حالات اس کے خلاف کیوں ہو گئے تھے۔ ابھی تو اس کی شادی کو ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا اور وہ یوں گھن چکر بن گئی تھی۔ گو کہ وہ جانتی تھی شادی کے بعد زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے لیکن ایسا تو اس نے نہیں سوچا تھا کہ ساری مصیبتیں ایک ساتھ ٹوٹ پڑیں گی۔

اس کی شادی کے تیسرے مہینے ابو اچانک داغ مفارقت دے گئے۔ ایک تو جانے والے کا غم دوسرے اسے ہر وقت امی، سحر اور عاصم کا خیال رہتا کہ ان کی دال روٹی کیسے چلے گی۔ عاصم ابھی چھوٹا تھا۔ انٹر میں پڑھ رہا تھا اور سحر گو کہ بی اے کر چکی تھی لیکن شروع ہی سے بہت ڈرپوک سی تھی۔ اس لیے اس کا گھر سے نکل کر نوکری کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ شروع میں اس نے اس کی ہمت بندھانے کی بہت کوشش کی لیکن اس کی شکل ایسی ہو جاتی جیسے ابھی رو دے گی، تب اس نے نوکری چھوڑ اسے ٹیوشن پڑھانے پر آمادہ کر لیا گو کہ چچا میاں نے بہت سہارا دیا تھا۔ گھر کی کفالت کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی۔ کیونکہ گھر ایک ہی تھا۔ اوپر چچا میاں، سدا کی بیمار چچی اور ان کی ایک ہی بیٹی نائلہ مقیم تھے اور دونوں گھروں میں شروع سے محبت اور اتفاق تھا۔

امی ہمیشہ چچی کا خیال کرتی رہی تھیں لیکن بہر حال چچا میاں کوئی اتنے رئیس نہیں تھے جو وہ بالکل بے فکر ہو جاتی۔ ٹھیک ہے دال روٹی کا مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن آج کے دور میں زندہ رہنے کے لیے صرف پیٹ کے لیے روٹی ہی کافی نہیں ہوتی۔ بنیادی ضرورتیں اور بھی بہت کچھ شامل ہے۔ اس لیے

وہ چاہتی تھی کہ سحر بھی کچھ کرے تاکہ سارا بوجھ چچا میاں پر نہ پڑے۔ لیکن سحر کی تو باہر نکلنے کا سوچ کر ہی جان نکلتی تھی اور اس میں اس کا قصور نہیں تھا۔ اس کے گھر بلکہ پورے خاندان کا ماحول ہی ایسا تھا۔ شروع سے ہر بات پر روک ٹوک ہوتی رہی تھی۔ خاندان کی زیادہ تر لڑکیاں میٹرک یا زیادہ سے زیادہ انٹر کر کے گھر میں بیٹھ رہی تھیں اور وہ کیونکہ شروع سے امی اور ابو کی چہیتی تھی اور کسی بھی طرح اپنی بات منوا لیا کرتی تھی، اس لیے بی اے کے بعد اس نے ایم اے بھی کر لیا تھا۔ جبکہ سحر بی اے ہی کر سکی تھی۔ وہ بھی اس کے کہنے پر اور ابھی بھی اس نے بہت کہہ سن کر آخر اسے ٹیوشن پڑھانے پر آمادہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد وہ چاہتی تھی کہ ٹیوشن دلانے میں اس کی مدد کرے لیکن اس کے شوہر عارف کو اس کا اپنے میکے لیے اتنا فکر مند ہونا اچھا نہیں لگا۔ کچھ عرصہ خاموشی سے برداشت کرتا رہا، وہ بھی شاید اس لیے کہ ابو کا غم تازہ تھا۔ لیکن دوسرے مہینے صاف لفظوں میں ٹوک دیا۔

"سنو، تمہیں اب اس گھر کی نہیں اس گھر کی فکر کرنی چاہیے، کیونکہ تمہارا گھر یہ ہے۔"

"میں جانتی ہوں اور اللہ کا شکر ہے یہاں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جس کے لیے میں فکر مند ہوں۔" اس نے کہا تو وہ قدرے غصے سے بولا تھا۔

"تو وہاں کی فکریں پالنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہیں اور میں پاگل ہوں جو تمہارے آرام اور خوشی کے لیے اتنی محنت کر رہا ہوں۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں لیکن تم دوسروں کی پریشانیاں سر پر لاد کر چہرے پر بارہ بجائے رکھتی ہو۔"

"دوسروں کی؟" اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ وہ کوئی دوسرے نہیں عارف! میری ماں، میری بہن، میرا بھائی! اور میں انہیں کچھ دے تو نہیں رہی۔"

"تو دے دو کیا دینا چاہتی ہو؟" وہ فوراً بولا تھا۔

"حوصلہ، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں دے سکتی۔" وہ کہہ کر اس کے پاس سے ہٹ گئی تھی۔ کیونکہ وہ

نہیں چاہتی تھی کہ اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے جو اسے اس کی اوقات سمجھا دے۔

وہ کیا تھا۔ ایک پرائیویٹ فرم میں سپروائزر، اگر گزر اوقات اچھی تھی تو اس لیے کہ گھر میں گنتی کے تین افراد تھے، نہ کوئی پڑھنے والا نہ کوئی بیاہنے والا۔ اگر ایسی کوئی ذمہ داری اس پر ہوتی تب شاید اسے احساس ہوتا۔

بہر حال اس کے بعد وہ محتاط ہو گئی تھی۔ اس کے سامنے اپنے میکے کا ذکر کرنا چھوڑ دیا۔ لیکن خود کو اس گھر کی فکروں سے آزاد نہیں کر سکتی تھی نہ ہی اس نے اپنی کوششیں ترک کیں اور ابھی وہ سحر کو دو اور عاصم کو ایک ٹیوشن دلانے میں کامیاب ہوئی تھی کہ اسے اپنے گھر کی فکر نے گھیر لیا۔ پہلے اماں بیمار ہوئیں پھر عارف کو یرقان ہو گیا اور جانے خدا کو کیا منظور تھا کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اماں تو ٹھیک ہو گئیں تھیں لیکن عارف کا یرقان بگڑ گیا۔ گو کہ دوا دارو اور اس کی خدمت گزاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی پھر بھی اسے رتی برابر افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔

مزید ستم، پرائیویٹ نوکری تھی۔ پندرہ دن بعد ہی وہاں سے جواب مل گیا۔ یوں بھی فی الحال وہ جانے کے قابل نہیں تھا جو فوراً" حاضری دے کر اپنی نوکری بحال کرواتا۔ اس لیے اسے اس کی نوکری جانے کی زیادہ فکر نہیں تھی کہ نوکری تو پھر بھی مل جائے گی پہلے اسے صحت یاب ہونا چاہیے اور صحت یابی کے لیے دوا اور دعا کے ساتھ جانے کتنی منتیں اس نے مان لی تھیں۔ اماں الگ پریشان تھیں۔ ان کی ساری جمع پونجی اس کے علاج پر خرچ ہو گئی تھی۔ اس کے بعد وہ بہت خاموشی سے اپنے زیور بیچنے لگی تھی لیکن اماں کو معلوم ہو گیا اور انہوں نے عارف سے بھی کہہ دیا تو وہ پہلے اس پر خفا ہوا پھر اپنے آپ نادم ہو کر کہنے لگا۔

"میرے کہے کی سزا تمہیں مل رہی ہے۔ میں نے تمہیں اس گھر کی فکر کرنے سے روکا تھا اور میں خود تمہارے لیے پریشانی کا باعث بن گیا۔"

"شاید یہ ہی میرا نصیب ہے۔ اس میں کسی کا دوش نہیں۔" اس نے سوچا۔ پھر عارف کا ہاتھ تھام کر بولی تھی۔

"ایسا کیوں سوچتے ہیں آپ۔ یہی زندگی ہے اور پھر تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"پتا نہیں یار! ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا ہے۔ بستر پر پڑے پڑے میں تو تھک گیا ہوں۔" وہ مایوسی سے بولا تھا۔

"مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کل آپ کو اسپتال جانا ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ تردد سے پوچھنے لگا۔

"اسپتال کیوں؟"

"ڈاکٹر نے یہی کہا ہے کہ آپ کو اسپتال میں ایڈمٹ کر دیا جائے۔ وہاں بہتر ٹریٹ منٹ سے آپ جلدی اچھے ہو جائیں گے۔" اس کا انداز ہنوز تھا لیکن وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں کلثوم! اسپتال کا خرچ۔"

"اس کی آپ فکر نہیں کریں۔ ہو جائے گا سب۔"

"کہاں سے ہو جائے گا؟"

"میں جاب کر لوں گی آخر ایم اے پاس ہوں۔" وہ خود کتنی فکر مند سہی لیکن اسے اطمینان دلا رہی تھی۔

"جاب آرام سے نہیں مل جاتی سمجھیں اور میں کوئی اسپتال نہیں جا رہا ٹھیک ہونا ہو گا تو یہیں ہو جاؤں گا۔" اس کے قطعیت سے کہنے پر وہ رو پڑی۔

"آپ کو ٹھیک ہونا ہے عارف! میرے لیے، اماں کے لیے۔"

"ہو جاؤں گا بابا! ٹھیک ہو جاؤں گا۔ رو تو نہیں۔" وہ اس کے رونے سے پریشان ہو کر بولا۔

"اور کل اسپتال بھی چلنا ہے۔" اس نے فوراً" کہا تو وہ قدرے رک کر بولا تھا۔

"چلوں گا لیکن سول اسپتال اور دیکھو، اس پر تم

UrduPhoto.com

بحث مت کرنا۔ کیونکہ ہمارے حالات ہمیں پرائیویٹ کلینک کی اجازت نہیں دے رہے۔ وہاں دو دن میں تمہارا بقیہ سارا زیور بک جائے گا۔ اس کے بعد بتاؤ کیا کرو گی، کس سے مانگو گی؟"

"اس کی نوبت نہیں آئے گی آپ انشاء اللہ دو دن میں ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"سول اسپتال بس اور میں کچھ نہیں سنوں گا۔" عارف نے کہا تو وہ خاموش ہو رہی تھی۔

اور پھر اگلے روز ہی عارف کو سول اسپتال میں ایڈمٹ کرا کے وہ جاب کی تلاش میں نکلی کھڑی ہوئی تھی اور فوری طور پر اسے اسکول میں ہی جاب مل سکی تھی۔ گویا کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر تھا اور اس کے ساتھ وہ دوسری جگہوں پر بھی اپلائی کر رہی تھی، بہرحال ان دنوں وہ بہت ٹینشن میں تھی۔ صبح اذان کی آواز پر اٹھتی تو پھر رات گئے کہیں جا کر اسے لیٹنا نصیب ہوتا تو وہ ایک پل میں غافل ہو جاتی تھی۔

حالانکہ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا کہ قسمت کی طرح نیند بھی اس سے روٹھ جائے تو وہ خوب صورت دنوں کو یاد کر کے خود کو بہلا لے۔ لیکن وائے ستم — کہ اس کی یہ آرزو بھی پوری نہیں ہو پا رہی تھی۔ گھر، اسکول، اسپتال، ان ہی تینوں کے درمیان وہ گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ ابھی بھی اسکول پہنچنے تک وہ بس یہی سوچتی رہی تھی کہ فنکشن ختم ہوتے ہی وہ یہیں سے سیدھی اسپتال چلی جائے گی۔

"مسز عارف! آپ آج بھی لیٹ ہو گئیں۔" میڈم اس کی مجبوری سمجھنے کے باوجود ٹوکتی ضرور تھیں۔

"سوری میڈم! بس لیٹ آئی تھی۔" اس کے پاس ایک ہی بہانا ہوتا تھا۔

"اوکے۔ اب آپ فوراً اپنی کلاس کے بچوں کو ہال میں لے جائیں۔"

میڈم نے کہا تو وہ جلدی سے رجسٹر اٹھا کر اپنی کلاس میں آ گئی اور اٹینڈنس کے بعد بچوں کو لائن سے لیفٹ رائٹ کراتی بڑے ہال کمرے میں لے گئی۔ جہاں دوسری تمام کلاسز کے بچے پہلے سے موجود تھے اور ٹیچرز بھی۔ وہ سب سے ہاتھ ملا کر مس رضوانہ کے پاس آ گئی۔

"تمہارے ہسبینڈ کیسے ہیں؟" مس رضوانہ نے روزانہ کی طرح پہلے اس کے شوہر کا پوچھا تو وہ مایوسی سے بولی۔

"ویسے ہی ہیں۔"

"تم انہیں ڈاکٹر عرفان کے پاس لے جاؤ۔ طارق روڈ پر ان کا کلینک ہے۔ سنا ہے وہاں یرقان کے مریضوں کا بہت اچھا علاج ہوتا ہے۔" رضوانہ کے مشورے پر اس نے بس سر ہلا دیا اور غنیمت کہ اسی وقت میڈم آ گئی تھیں اور انہوں نے پروگرام شروع کروا دیا۔ کیونکہ چیف گیسٹ کو دس بجے آنا تھا اور وہ چاہتی تھیں ان کے آنے سے پہلے چھوٹے موٹے آئٹمز ہو جانے چاہئیں۔ جبکہ خاص آئٹمز چیف گیسٹ کی آمد پر رکھ چھوڑے تھے۔ وہ اپنی طالب علمی کے زمانے میں ایسے پروگراموں کی بڑی دلدادہ رہی تھی اور ہر فنکشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ اگر ابھی حالات کی ستائی ہوئی نہ ہوتی تو ضرور سب سے آگے ہوتی لیکن اب تو اس کا ذہن اپنے ہی مسائل میں الجھا رہتا تھا۔ جب ہی بہت خاموشی سے اپنی کلاس کے بچوں کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ جب چیف گیسٹ کے آنے کا وقت ہوا تو میڈم نے پروگرام رکوا کر تمام ٹیچرز کو ایک جگہ جمع ہونے کو کہا غالباً" چیف گیسٹ کے استقبال کے لیے۔

وہ بچوں کو خاموشی سے بیٹھے رہنے کی تاکید کرتی ہال سے باہر آ گئی۔ مس رضوانہ دو چھوٹے بچوں کے ہاتھوں میں گلدستے تھما کر انہیں بتا رہی تھیں کہ کس طرح چیف گیسٹ کو پیش کرنے ہیں۔

"مسز عارف! آپ یہاں آ جائیں۔" مس رخسانہ کی پکار وہ ان کے پاس جا کھڑی ہوئی اور دھیمی آواز میں پوچھنے لگی۔

"گیسٹ کون ہیں؟"

"پتا نہیں، میڈم نے کسے انوائیٹ کیا ہے۔ مس رضوانہ کو معلوم ہو گا وہ میڈم کے ساتھ گئی تھیں۔" مس رخسانہ نے کہا تو اس نے یونہی سر ہلا دیا۔

تب ہی گیٹ پر گاڑی رکنے سے ایک محسوس کی جانے والی ہلچل سی مچ گئی۔ میڈم فوراً" آگے بڑھی تھیں، ان کے پیچھے دونوں بچوں کے ساتھ مس رضوانہ تھیں۔ اس کی نظریں بچوں سے ہوتی ہوئی گاڑی سے نکلتے شخص پر یوں ٹھہریں کہ پلٹنا بھول گئیں۔ جبکہ سینے کے اندر دل بس ایک بار زور سے دھڑکا اس کے بعد یوں سہما جیسے ابھی اس کے پیروں تلے سے تختہ دار کھینچ لیا جائے گا۔

"یا اللہ میں کہاں جاؤں۔" وہ اپنی ساری توانائیاں مجتمع کر کے دھیرے دھیرے پیچھے کھسکنے لگی تاکہ اس کی نظروں سے چھپ سکے۔ لیکن بے سود، آس پاس کوئی جائے پناہ نہیں تھی اور وہ میڈم کے ساتھ آگے بڑھتا آ رہا تھا اور پھر یک لخت اسے دیکھ کر وہ بھی چونکا تھا کہ میڈم نے انجانے میں اسے زلزلوں کی زد میں دھکیل دیا تھا۔

"یہ مسز عارف ہیں؟"

"مسز!" ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال بن گیا اور جانے غصے یا نفرت کے باعث آنکھیں سکڑ گئی تھیں۔

"السلام علیکم!" اس نے اپنا حلق تر کر کے سلام کیا تو وہ بہت سنبھل کر آگے بڑھ گیا اور وہ اپنے پیچھے لڑکیوں کی آوازیں سننے لگی۔

"ہائے کیا پرسنالٹی ہے۔"

"میڈم کہاں سے ڈھونڈ کے لائی ہیں انہیں؟"

"یونان سے۔"

"اللہ اگر مجھے پہلے پتا ہوتا کہ اتنا ہینڈسم بندہ آ رہا ہے تو میں بہت تیار ہو کر آتی۔"

"آپ لوگ رک کیوں گئیں چلیں ناں؟" مس رضوانہ نے ان سب کو میڈم کے پیچھے ہال میں جانے کو کہا تو وہ سب چل پڑیں۔

"مسز عارف آپ؟" مس رضوانہ نے اسے کھڑے دیکھ کر ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"مس رضوانہ! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ پلیز میڈم سے مجھے گھر جانے کی اجازت دلوا دیں۔"

"اس وقت تو میڈم سے بات کرنا بہت مشکل ہے۔ ایسا کرو تم اسٹاف روم میں بیٹھ جاؤ اور جب خود کو بہتر محسوس کرو، تب ہال میں آ جانا۔"

مس رضوانہ اس کا زرد چہرہ دیکھ کر خود ہی اسے اسٹاف روم میں بٹھا کر چلی گئیں تو وہ ٹیبل پر پیشانی ٹکا کر رو پڑی۔ آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے تھے۔ جن پر بند باندھتے باندھتے وہ پریشان ہو گئی۔ کیونکہ یہ سیلاب تھم کے نہیں دے رہا تھا۔ آخر اس نے اٹھ کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے پھر رومال سے چہرہ صاف کر کے بجائے ہال میں جانے کے اسکول سے نکل آئی کیونکہ وہ دوبارہ اس شخص کا سامنا نہیں کر سکتی تھی اور باہر آ کر بھی وہ خائف تھی۔ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اسے لگا جیسے وہ اس کے تعاقب میں آ رہا ہے۔ اس نے اپنی رفتار اور بڑھا دی۔

وہ جب گھر میں داخل ہوئی تو اس کی سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ کتنی دیر وہ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی رہی پھر بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کوئی چپ کرانے والا نہیں تھا۔ ایک اماں، وہ اس وقت عارف کے پاس ہوتی تھیں اور اچھا ہی تھا کہ وہ موجود نہیں تھیں۔ وہ اپنے رونے کا کیا سبب بتاتی۔ وہ تو خود نہیں جانتی تھی کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ صرف شہروز احمد کو دیکھ کر یا اس کے سنگ گزرے دنوں کے تصور نے رلا دیا تھا۔ لیکن اس نے رونے کے لیے تو ان دنوں کو یادگار نہیں بنایا تھا اس کا مقصد تو کچھ اور تھا۔ شاید خود فریبی ہاں خود فریبی.... اس نے نائلہ سے یہی کہا تھا۔

"میں کچھ وقت اچھا گزارنا چاہتی ہوں۔ جو بے فکری کے لمحات ان بڑے لوگوں کے درمیان رہ کر میسر آتے ہیں وہ اور کہیں نہیں ملتے۔ پتا ہے نائلہ! جب میں اپنے زندگی پر نظر ڈالوں گی تو سوچوں گی کچھ وقت بے فکری کا میں نے بھی گزارا ہے ورنہ حقیقت میں

UrduPhoto.com

میری زندگی میں کیا ہو گا۔ وہی امی کی طرح کبھی چادر کو سر تک کھینچنا اور کبھی سر ڈھانپنے کے چکر میں پیروں کو ننگا کر لینا۔"

اسے اپنی کہی بات یاد تھی جسے سوچتے ہوئے اس کا ذہن ان ہی دنوں میں بھٹکنے لگا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

ابو کوئی امیر کبیر آدمی نہیں تھے۔ ایک تنخواہ دار ملازم جو اپنی سفید پوشی کا بھرم بمشکل رکھ پائے تھے اور امی شروع ہی سے کفایت شعار تھیں۔ یہ ان ہی کا کمال تھا کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی میں بھی گھر کی گاڑی اس طرح چلانے کی کوشش کرتیں کہ مہینے کے آخری دنوں میں کسی سے مانگنے کی نوبت نہ آئے اور پھر انہیں اس کا اور سحر کا بھی خیال تھا کہ وہ دونوں شادی کی عمروں کو پہنچ چکی تھیں اس لیے وہ کچھ بچت کرنے کی کوشش بھی ضرور کرتی تھیں یہ الگ بات کہ وہ ان کی بچت بڑی خوب صورتی سے ہتھیا لیتی تھی۔ اسے اس بات کی مطلق پروا نہیں تھی کہ جب اس کی شادی کا وقت آئے گا تو ابو کہاں سے پورا کریں گے۔

اسے جہاں کھانے کو اچھا چاہیے تھا وہاں پہننے کو بھی اچھا مانگتی تھی۔ امی ابو حتی الامکان اس کی ضروریات اور خواہشات پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کے لیے انہیں اکثر چھوٹوں کو نظر انداز بھی کرنا پڑتا تھا۔ اس کے باوجود سب سے زیادہ حالات کا رونا وہی روتی تھی۔ اکثر کہتی۔

"یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ ایک ایک چیز کے لیے ترستے رہو۔ گھر کی حالت دیکھو تو وہی بیس سال پرانا صوفہ پردوں پر ٹاٹ کا گمان ہوتا ہے توبہ میں تو اپنی کسی سہیلی کو گھر بھی نہیں بلا سکتی۔"

"کیوں کیا تمہاری سہیلیاں گھر دیکھنے آئیں گی؟" سحر کو برا لگتا۔

"گھر دیکھنے نہیں آئیں گی تو آنکھیں بند کر کے بھی نہیں بیٹھیں گی۔ جو چیز سامنے ہو وہ تو خود بخود نظر آجاتی ہے تم کبھی ان کے گھر جا کر دیکھو آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی تمہاری۔" وہ سحر کے سامنے اپنی سہیلیوں کے گھروں کا پورا نقشہ کھینچ ڈالتی۔ جس پر وہ ٹوک دیتی۔

"تم نے ایسی لڑکیوں سے دوستی کیوں کی؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"بھئی، دوستی اپنے ہی جیسوں سے اچھی لگتی ہے اور نبھ بھی جاتی ہے۔" سحر چھوٹی ہونے کے باوجود اسے سمجھاتی تھی۔

"میں کیا کروں وہ خود ہی میری طرف بڑھتی ہیں، اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں ان کا ہاتھ جھٹک دوں۔"

"تو پھر ان پر اپنی حیثیت واضح کر دیا کرو تاکہ کبھی گھر بلانا چاہو تو حیثیت کھل جانے کی شرمندگی نہ ہو۔"

"کیا؟" وہ چیخ پڑتی۔ "تمہارا مطلب ہے کہ میں انہیں بتا دوں کہ میں ایک پسماندہ علاقے میں رہتی ہوں اور وہ بھی ایک بوسیدہ سے گھر میں جس کی ہر چیز پر بیس سال پرانی تاریخ درج ہے۔"

"میں تم پر سوائے افسوس کے اور کیا کر سکتی ہوں۔"

سحر اسے کسی طرح قائل نہیں کر سکتی تھی اور وہ قائل ہونا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اپنے جیسے لوگوں سے دوستی کر کے بندہ چاہے بھی تو حالات سے نظریں نہیں چرا سکتا گھر میں آنے والا بھاؤ تو دوستوں میں بھی اسی بات کا رونا جبکہ بڑے لوگوں کی باتوں میں اسے بڑا چارم نظر آتا تھا۔

"پرسوں ممی ڈیڈی پیرس جا رہے ہیں۔"

"یہ نیکلس میرے پاپا ہانگ کانگ سے لائے تھے۔"

"میں نے عرفی سے کہا ہے۔ منگنی پر میں ڈائمنڈ کی رنگ لوں گی۔"

یہ ساری باتیں جو اس کی سہیلیاں کرتی تھیں۔ جہاں معمولی معمولی چیزوں کے لیے ترسنا نہ پڑے۔ بلکہ سب کچھ بن کہے بن چاہے مل جائے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ حقیقت پسند بھی تھی۔ وہ یوں کہ جانتی تھی کہ کوئی امیر کبیر بندہ اس کے گھر جانے والی تنگ سی گلی میں کبھی داخل نہیں ہو گا۔ ادھر آنے والا یقیناً "اسی کے طبقے سے تعلق رکھنے والا ہو گا۔ اگر جو اسے یقین ہوتا کہ وہ مقدر کی سکندر ہے تو شاید آس کے دیے دل میں جلا رکھتی۔ لیکن اچھی شکل و صورت کی ہونے کے باوجود اس نے کبھی کسی خوش فہمی کو دل میں جگہ نہیں دی تھی۔ شاید اس لیے کہ جب وہ بی اے میں پڑھ رہی تھی تو اس کے لیے کافی جگہوں سے رشتے آئے تھے اور وہ سب اس کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔

اس وقت اس نے ہر رشتے سے انکار کر دیا تھا اس لیے نہیں کہ وہ سب غریب تھے بلکہ وہ ابھی سے آٹے دال کا بھاؤ اور مہنگائی کا بوجھ اپنے کندھوں پر نہیں لادنا چاہتی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ ان سب جھمیلوں میں تو زندگی گزرنی ہی ہے پھر کیوں نہ وہ ان بے فکری کے دنوں کو طویل کر دے اور یہ بے فکری کا احساس اسے اپنی دوستوں کے درمیان رہ کر ہی ہوتا تھا۔

کالج کی حد تک تو گنتی کی تین چار لڑکیاں تھیں جن کی باتیں وہ گھر میں سب کے درمیان بیٹھ کر کیا کرتی تھی لیکن یونیورسٹی میں اس کی دوستی جس سے ہوئی تھی، اس کا وہ نام تک نہیں لے سکتی تھی اور دل کی بات کہنے کے لیے کوئی ہم راز تو چاہیے ہی تھا۔ اس کے لیے اس نے نائلہ کا انتخاب کیا جو اس کی چچا زاد تھی۔ پہلے پہل وہ بہانے بہانے سے اوپر نائلہ کے پاس جاتی تھی لیکن جس دن چچا میاں نے اس سے نائلہ کو پڑھانے کے لیے کہا بس اسے موقع مل گیا۔ روزانہ شام میں کتابیں بغل میں دباتی، سیڑھیاں چڑھ جاتی۔ متوسط گھرانوں میں یوں بھی حد بندیاں کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں۔ خاص طور سے لڑکیوں کے لیے۔

اس کے گھر کا ماحول بھی ایسا ہی تھا۔ شروع سے ہر بات پر روک ٹوک ہوتی رہی تھی۔ پھر بھی اس نے اپنی بات منوا کر ایم اے میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ جبکہ نائلہ میٹرک کے بعد ہی گھر بیٹھ رہی تھی۔ پھر اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے چچا میاں نے اتنی اجازت دے دی کہ وہ پرائیویٹ امتحان دے سکتی تھی۔ یوں انٹر اور بی اے بھی اس نے پرائیویٹ امتحان دے کر پاس کیا تھا اور اب ایم اے کے لیے بھی وہ اس سے مدد لے رہی تھی۔

شروع میں تو وہ نائلہ کو نوٹس دینے کے ساتھ یونہی ادھر ادھر کی باتیں کرتی۔ پھر دھیرے دھیرے یونیورسٹی کے قصے سنانے لگی جو نائلہ کے لیے بے حد حیران کن تھے۔ کیونکہ وہ گھر میں بند رہنے والی لڑکی تھی۔

"کلثوم! یہ سب تو ہم ڈراموں میں دیکھتے ہیں یا افسانوں میں۔" نائلہ نے بہت حیران ہو کر کہا تھا۔

وہ اس کا اشتیاق بڑھانے کی خاطر مزید کچھ واقعے سناتی تو یونہی ایک دن کچھ جھجکتے ہوئے نائلہ نے اس سے پوچھا تھا۔

"سنو، تمہاری بھی کسی سے دوستی ہے؟"

وہ نائلہ کے انداز سے سمجھ گئی تھی کہ وہ کس دوستی کی بات کر رہی ہے، جب ہی پہلے اس سے رازداری کا وعدہ لیا پھر اثبات میں سر ہلایا تو نائلہ نے فوراً" پوچھا تھا۔

"کیا نام ہے؟"

"شہروز۔" اس نے نام بتا کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا تھا۔

"نام تو بہت خوب صورت ہے۔ بالکل افسانوی۔" نائلہ نے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"وہ خود بھی ایسا ہی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔"

"پتا ہے وہ مجھے بھی کسی بڑے گھر کی سمجھتا ہے۔"

"ہیں تم نے اسے بتایا نہیں کہ تم۔" نائلہ نے ٹوکا تو وہ فوراً" بولی۔

"نہیں اور نہ ہی کبھی بتاؤں گی۔"

"کیوں؟"

"ظاہر ہے پھر وہ مجھ سے کنارہ کشی اختیار کرے گا اور فی الحال میں ایسا نہیں چاہتی۔"

"فی الحال سے کیا مطلب؟"

UrduPhoto.com

"بھئی، جب تک میں یونیورسٹی میں ہوں تب تک تو اس سے دوستی رہنی چاہیے اس کے بعد اس کا راستہ الگ میرا الگ۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے تو نائلہ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"کلثوم! کیا تم دونوں ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے؟"

"کرتے ہیں۔"

"پھر تم نے الگ الگ راستے کی بات کیوں کی؟"

"کیونکہ ہمارے راستے الگ ہیں۔ خود ہی سوچو وہ ایک امیرزادہ ہے۔ مجھ جیسی غریب لڑکی سے شادی کیوں کرے گا بھلا۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ جب اسے معلوم ہو گا کہ میں مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والی عام سی لڑکی ہوں تو وہ دوستی تو دور کی بات میرے قریب سے گزرنا بھی پسند نہیں کرے گا اور میں کیونکہ کچھ وقت اچھا گزارنا چاہتی ہوں اس لیے اپنی غریبی پر پردہ ڈال کر بڑے لوگوں کے درمیان رہتی ہوں۔"

وہ اپنی کمزوری بڑے آرام سے بتا رہی تھی۔ پھر یک لخت اس کے لہجے میں حسرت سمٹ آئی تھی۔

"پتا ہے نائلہ! کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں ایک دم سے بہت بڑی آدمی بن جاؤں۔ بہت امیر اور یہ بڑا بننے کی خواہش اب سے نہیں بہت پہلے سے میرے اندر ہمکتی ہے۔ اس وقت جب میں اسکول میں پڑھتی تھی۔ شاید حرا کو دیکھ کر میں اس جیسی ہونا چاہتی تھی۔

تمہیں یاد ہے۔ ہماری کلاس میں حرا پڑھتی تھی۔ کیسے لمبی سی گاڑی میں اور کس شان سے آتی تھی کہ لڑکیاں تو لڑکیاں ٹیچرز بھی اس سے مرعوب نظر آتی تھیں۔ میں نے کئی بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی ادا ہی نرالی تھی۔ اپنے سے کم حیثیت کی لڑکیوں کی طرف تو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی اور وہ جتنی ہم سے دور ہوتی میں اسی قدر اس کی طرف متوجہ ہوتی تھی۔ اس کا انداز، اس کا لب و لہجہ سب مجھے بہت اٹریکٹ کرتا تھا اور میں سوچتی کیا ہوا جو میں غریب ہوں۔ اس کے ساتھ کھڑی ہو کر اس کے انداز میں بات تو کر سکتی ہوں۔ لیکن اس نے مجھے کبھی اپنے ساتھ کھڑا نہیں ہونے دیا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ جب میں اسکول سے نکل کر کالج میں گئی تو اپنی شخصیت پر خول چڑھا لیا۔ وہی لب و لہجہ اور انداز جو حرا کے تھے میں نے اپنا لیے اور میرے اس انداز کی بدولت میری دوستی کالج کی امیر ترین لڑکیوں سے ہو گئی۔ میں نے ان پر کبھی اپنی حیثیت واضح نہیں کی کیونکہ مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں وہ سب حرا کی طرح مجھے اپنے حلقے سے نکال نہ دیں اور ابھی بھی میرے اندر وہی خوف ہے۔" وہ بولتے ہوئے یکدم خاموش ہو کر جانے کیا سوچنے لگی تھی۔ پھر قدرے توقف سے کہنے لگی۔

"میں سب سے بے شک اپنی حیثیت چھپا لیتی ہوں لیکن خود کبھی نہیں بھولتی۔ میں جانتی ہوں کہ میں جس گھر جس ماحول میں پیدا ہوئی ہوں آئندہ بھی میرے نصیب میں ایسا ہی ہو گا۔"

"جب تم جانتی ہو تو پھر ان لوگوں کی طرف کیوں جاتی ہو؟" نائلہ جو بہت خاموشی سے اسے سن رہی تھی ٹوکے بغیر نہیں رہ سکی تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"اس لیے کہ میں کچھ وقت اچھا گزارنا چاہتی ہوں۔"

اس نے اتنے آرام سے کہا کہ نائلہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

شہروز کے اشارے پر وہ ایکسکیوزمی کہتی ہوئی سب لڑکیوں کے درمیان سے نکل کر اس کے پاس گئی تو وہ کہنے لگا۔

"فری ہو تو چلو کینٹین چلتے ہیں۔"

"کینٹین، نہیں کسی چیز کا موڈ نہیں ہے۔" وہ ناک سکوڑ کر بولی تھی۔

"صرف چائے پی لیں گے۔"

"چلو اگر تمہارا چائے پینے کا موڈ ہے تو۔"

"کیا بات ہے۔ اتنی بیزار سی کیوں ہو؟" وہ چلتے چلتے رک کر اسے دیکھنے لگا تو اس نے یونہی کہہ دیا۔

"بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اے طبیعت ٹھیک رکھو، آج شام تمہیں میرے گھر آنا ہے۔" شہروز نے کہا تو وہ قدرے بوکھلا گئی تھی۔

"تمہارے گھر کس خوشی میں؟"

"آج میری برتھ ڈے ہے۔ یہ رہا تمہارا کارڈ۔" شہروز نے ڈائری میں سے کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو وہ کچھ گم صم سی ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا ثوی، کیا طبیعت زیادہ خراب ہے؟" اس نے پوچھا تو وہ چونک کر بولی۔

"نہیں نہیں چلو۔ میرا مطلب ہے، ہم کینٹین جا رہے تھے۔"

"ہاں چلو، باقی باتیں وہیں ہوں گی۔" پھر چائے کے دوران وہ مسلسل اصرار کرتا رہا کہ وہ اس کی برتھ ڈے میں ضرور آئے گی اور وہ اسی حساب سے بہانے بنا رہی تھی لیکن جب وہ کچھ بھی سننے پر تیار نہیں ہوا تب اسے ہامی بھرنی پڑی۔

"آؤں گی بابا آؤں گی، تمہاری برتھ ڈے بھلا میں مِس کر سکتی ہوں۔"

"یہ ہوئی ناں بات۔" وہ خوش ہو گیا پھر کہنے لگا۔

"پتا ہے ممی کو تم سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔"

"مجھ سے۔" وہ چونکی "تم نے اپنی ممی کو میرے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

"کیا کہنا چاہیے تھا مجھے۔" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا تو وہ قصداً لاپروائی سے بولی۔

"یہی کہ میں تمہاری دوست ہوں۔"

"صرف دوست؟" جانے کیا تھا اس کے لہجے میں کہ وہ نظریں جھکا کر میز کی سطح پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگی تو وہ کچھ دیر اس کی جھکی پلکوں کو دیکھتا رہا پھر آہستہ سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"تم ممی سے پوچھ لینا کہ میں نے تمہارے بارے میں کیا کہا ہے۔"

"اچھا!" وہ خوامخواہ ہنسی پھر فوراً کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔

"چلو میری کلاس شروع ہونے والی ہے۔" اس نے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"شام میں ضرور آنا، میں انتظار کروں گا اور اگر نہیں آئیں تو۔"

"شوٹ کر دینا مجھے۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"ارے نہیں، اگر تمہیں شوٹ کر دیا تو پھر میرے لیے اس دنیا میں کیا رہ جائے گا۔" وہ پوری ایمانداری سے کہہ رہا تھا اور وہ نظرانداز کرتے ہوئے اس سے پہلے ہی وہاں سے چلی آئی تھی۔

اور اس نے محض اس کا دل رکھنے کی خاطر ہامی بھری تھی ورنہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کسی بھی طرح اس کے گھر نہیں جا سکے گی۔ کیونکہ سوائے یونیورسٹی کے اسے کہیں بھی اکیلے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ سہیلی کے گھر بھی جانا ہوتا تو امی عاصم کو اس کے ساتھ بھیجتی تھیں۔ ویسے وہ کسی کے گھر کم ہی جاتی تھی، محض اس خیال سے کہ کہیں کوئی اس کے گھر آنے کو نہ کہہ دے اور شہروز احمد کو تو وہ ایسا کوئی موقع دینا ہی نہیں چاہتی تھی۔

دوپہر میں وہ گھر آئی تو خاصی ڈسٹرب سی تھی۔ کیونکہ شہروز نے اس کا کوئی بہانہ نہیں سنا تھا اور مزید کوئی بہانہ اسے سوجھ نہیں رہا تھا جو وہ کل اس کے استفسار پر کر سکے۔ کھانے کے بعد جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو کتنی دیر بس یہی سوچتی رہی پھر آخر تھک کر سو گئی تھی۔

شام میں سو کر اٹھی تو چائے پیتے ہی وہ حسب معمول اپنی کتابیں اکٹھی کرنے لگی جو یونیورسٹی سے واپسی پر اس نے لاپروائی سے ٹیبل پر ڈال دی تھیں۔ سحر کن آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ جانتی تھی کہ وہ ابھی کتابیں بغل میں دبائے "میں اوپر جا رہی ہوں" کا نعرہ

UrduPhoto.com

لگاتی دھم دھم سیڑھیاں چڑھ جائے گی۔ پڑھنے کا تو صرف بہانا ہے ورنہ وہ اور نائلہ کتابیں سامنے رکھے سرگوشیوں میں جانے کیا باتیں کرتی رہیں گی۔ کتنی بار اس نے جا کر دیکھا اور پھر امی سے بھی کہا تھا لیکن امی کہاں اس کی بات پر دھیان دیتی تھیں۔

"میری فائل نہیں مل رہی۔" اس نے جس قدر جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کیا سحر اتنی ہی لاپروائی اور بیزاری سے بولی تھی۔

"مجھے کیا پتا۔"

"یہیں تو رکھی تھی۔" وہ کتابیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"رکھی ہوگی۔"

"اتنے اہم نوٹس تھے اس میں۔" اب اس کا انداز بڑبڑانے کا سا تھا۔

"اگر کہیں کھو گئی تو میں کیا کروں گی' میں نے کسی کو دی بھی نہیں۔ پھر کہاں جا سکتی ہے۔ یہ رہی شکر مل گئی۔ اچھا میں اوپر جا رہی ہوں۔ نائلہ کو نوٹس دے دوں اور اسے صرف نوٹس دینے سے تو کام نہیں چلتا خود بھی سمجھانا پڑتا ہے۔"

"خوامخواہ کی وضاحت۔" سحر نے سوچا اور اس کی طرف سے رخ موڑ کر اشارا دیا کہ مجھے کوئی دلچسپی نہیں تو وہ نعرہ لگائے بغیر بہت خاموشی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آئی تو اس کا ذہنی انتشار چہرے پر جھلک رہا تھا۔

"کیا بات ہے پریشان نظر آ رہی ہو؟" نائلہ نے فوراً" محسوس کر کے ٹوکا تو وہ فائل پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

"آج شہروز کی برتھ ڈے ہے۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" نائلہ نے تعجب سے کہا۔

"ہے نا اس نے مجھے اتنے اصرار سے بلایا ہے اور میں نہیں جا سکتی۔" اسے واقعی نہ جا سکنے کا دکھ ہو رہا تھا۔

"تو تم اس سے کوئی بہانا کر دینا۔" نائلہ نے کہا تو وہ دکھ سے ہنسی۔

"بہانا.... اتنے عذر تراشے میں نے لیکن وہ نہیں مانا۔ مجھ سے ہامی بھروا کر دم لیا اور کہہ رہا تھا میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"تو پھر امی سے کوئی بہانا کرو۔ میرا مطلب ہے سہیلی کے گھر جانے کا اور چلی جاؤں۔" نائلہ نے فوراً" مشورہ دیا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"یہ ہو تو سکتا تھا لیکن اسے گفٹ دینے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"میں اپنی جمع پونجی دیکھوں۔"

"نہیں یار! تمہارے پاس کتنے روپے ہوں گے۔ سو دو سو' جبکہ اس کی حیثیت بلکہ جو میں اپنی حیثیت ظاہر کر چکی ہوں اس کے مطابق تو مجھے ڈیڑھ دو ہزار کا گفٹ دینا چاہیے۔"

اس نے کہا تو نائلہ بھی مایوس سی ہو گئی۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کرنے لگی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ بہت مایوس اور آزردہ سی کچھ دیر بیٹھی پھر اسی طرح اٹھ کر نیچے آ گئی۔ شاید معمول سے بہت پہلے آئی تھی اس لیے سحر نے پہلے حیرت سے دیکھا پھر طنزاً" کہنے لگی۔

"کیا ہوا آج نائلہ نے تمہیں جلدی چھٹی دے دی؟"

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ فوراً" پلٹ کر کہتی "میں اسے پڑھاتی ہوں وہ مجھے نہیں۔" لیکن اس وقت دل اتنا بوجھل ہو رہا تھا کہ وہ چپ چاپ اندر چلی آئی اور اس کی خاموشی محسوس کر کے ہی امی فوراً" اس کے پیچھے آئی تھیں۔

"کیا ہوا کلثوم خیر تو ہے؟"

"کیوں کیا ہوا؟" وہ الٹا ان ہی سے پوچھنے لگی۔

"تم چپ چاپ اندر چلی آئیں۔"

"تو مجھے ہنگامہ کرتے ہوئے آنا چاہیے تھا؟"

"ہنگامہ نہیں لیکن۔"

"خدا کے لیے امی!" وہ خوامخواہ چڑنے لگی تھی۔

"آپ کیوں میری ذرا ذرا سی بات کو محسوس کرتی ہیں۔ اونچا بولوں تو مصیبت' خاموش رہوں تو گوارا نہیں۔ آخر آپ ہر بات پر جرح کیوں کرنے لگتی ہیں۔ میں انسان ہوں اور بدقسمتی سے سینے میں دل بھی رکھتی ہوں جو کبھی آپ ہی آپ خوش ہوتا ہے اور کبھی خوامخواہ رلانے پر کمربستہ۔ میں کب تک اسے اپنے تابع رکھوں کبھی تو اس کی بات مان لینے دیا کریں۔"

اس کے ساتھ ہی وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔ تو امی ایک دم پریشان ہو گئیں۔

"ارے کیا ہوا ہے کسی نے کچھ کہا ہے۔ مجھے بتاؤ تو سہی آخر رونے کیوں لگیں؟"

"بس میرا دل چاہ رہا ہے۔" اس نے کہہ کر تکیے میں منہ چھپا لیا۔

"ایسے خوامخواہ تو رونے کو دل نہیں چاہتا۔ کوئی بات ہوئی ہوگی تب ناں۔" امی نے اس کا کندھا ہلایا۔

"کوئی بات نہیں ہوئی۔" وہ تکیے سے منہ نکال کر اتنی زور سے چیخی کہ امی دو قدم پیچھے ہٹ گئیں اور سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے یوں دیکھنے لگیں جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو۔

"اوفوہ' امی! مجھے کچھ نہیں ہوا۔ آپ یونہی پریشان ہو جاتی ہیں۔" اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو آنسو پونچھتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"میں دوپہر سے دیکھ رہی ہوں۔ چپ چپ سی ہو۔ حالانکہ صبح تو اچھی بھلی یونیورسٹی گئی تھیں۔" امی ابھی بھی اسے تشویش سے دیکھ رہی تھیں۔

"ابھی بھی اچھی بھلی ہوں بس ذرا سر میں درد ہو رہا ہے۔" اس نے جھوٹ بولا اور دونوں ہاتھوں سے سر دبانے لگی تو اس کی آنکھیں پھر پانیوں سے بھر گئیں۔

"میں چائے لاتی ہوں۔ ساتھ میں ڈسپرین بھی۔"

اماں چلی گئیں تو وہ دوبارہ لیٹ گئی۔

رات میں وہ پھر اپنے حالات پر کڑھ رہی تھی۔

"یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ ہم اپنی مرضی سے جی نہیں سکتے۔ پتا نہیں لوگ اتنے اطمینان سے کیسے رہتے ہیں۔ میں تو خوب صورت خواب بھی نہیں سجا سکتی۔" یونہی حالات پر کڑھتے اور شکوہ کرتے وہ نیند کی آغوش میں جا سوئی تھی۔

صبح اٹھی تو سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہمت نہیں ہوئی تو کروٹ بدل کر دوبارہ سو گئی۔ ایک بار سحر نے آ کر پوچھا بھی کہ یونیورسٹی نہیں جاؤ گی۔ وہ صرف ہوں ہاں کر کے رہ گئی۔ پھر امی نے ناشتہ کے لیے آواز دی وہ تب بھی نہیں اٹھی تو انہیں تشویش ہوئی اندر آ کر دیکھا تو وہ بے سدھ پڑی تھی۔

"کلثوم! ارے کلثوم!" امی اسے پکارتی ہوئی قریب آئیں اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو تپش کا احساس ہوا۔

"کل سے بجھی بجھی نظر آ رہی تھی۔ اب دیکھو بخار بھی ہو گیا۔" امی بڑبڑاتی ہوئی ابو سے کہنے چل دیں۔

اور اتنی حساس تو وہ کبھی نہیں تھی۔ اب اسے اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کیوں اتنی ڈیپریسڈ ہو گئی تھی۔ ایک شہروز احمد کی برتھ ڈے ہی میں تو نہیں جا سکی اور اب کیا وہ تو آئندہ بھی کبھی نہیں جا سکے گی پھر اسے اتنا محسوس کرنے اور خود پر طاری کر لینے کی کیا ضرورت تھی۔ جو وہ بیمار پڑ گئی اور سب گھر والوں کو بھی پریشان کیا۔ جبکہ شہروز احمد کو تو پروا بھی نہیں ہوگی اور نہ ہی اپنے مہمانوں میں اسے میرا خیال آیا ہوگا کہ میں کیوں نہیں آئی۔" وہ تکیے کے سہارے بیٹھی یہی سب سوچ رہی تھی۔

"اب جب میں اتنے دنوں بعد یونیورسٹی جاؤں گی تو شاید وہ میری اتنے دنوں کی غیر حاضری کا سبب بھی نہیں پوچھے گا اور ہو سکتا ہے اس نے اپنے دوستوں کی لسٹ سے میرا نام بھی خارج کر دیا ہو۔"

وہ بڑے آرام سے سوچ رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا۔ نہ ہی گمان کہ وہ نہ صرف اپنی برتھ ڈے میں

UrduPhoto.com

آخری وقت تک بڑی شدت سے اس کا منتظر رہا بلکہ اب بھی روزانہ اس کے ڈیپارٹمنٹ آکر ایک ایک سے اس کے بارے میں پوچھتا تھا۔

اور جب پورے دس دن بعد وہ یونیورسٹی گئی تو وہ واقعی اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ لپک کر اس کے پاس آیا۔

"ثومی! کہاں چلی گئیں تھیں تم؟" اتنی بے قراری ....وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔ آنکھوں کے گرد حلقے اور زردی مائل رنگت کافی کمزور لگ رہی تھی۔

"بیمار رہی ہو؟" وہ اس کا ہاتھ تھام کر پوچھنے لگا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کم از کم مجھے تو خبر کرتیں۔ میں اتنا پریشان رہا۔"

"مجھے اپنی خبر نہیں تھی۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"مجھے تمہارے گھر کا پتا نہیں تھا ورنہ میں خود آتا تمہارے پاس اور تمہارا فون نمبر بھی نہیں ہے۔ میں نے سب سے پوچھا کسی کے پاس نہیں تھا۔"

"چلو اب تو میں آگئی ہوں۔" وہ اس خیال سے بول پڑی کہ کہیں وہ اس کا فون نمبر نہ پوچھنے کھڑا ہو جائے۔

"اور تم یہیں کھڑے رہو گے یا کہیں بیٹھو گے بھی۔ میں تھکنے لگی ہوں۔"

"ہاں تم بہت ویک ہو گئی ہو۔ چلو وہاں بیٹھتے ہیں۔" وہ اس کے ساتھ لان میں چلا آیا اور بیٹھتے ہی کہنے لگا۔

"پتا ہے ثومی! میں نے اپنی برتھ ڈے پر تمہارا بہت انتظار کیا تھا۔ ممی بھی تمہاری راہ دیکھتی رہی تھیں۔ آخر وہ بہت مایوس ہو گئیں جبکہ میں انہیں یقین دلاتا رہا کہ تم ضرور آؤ گی۔"

"اسی دن یہیں میری طبیعت کچھ خراب تھی۔ گھر جا کر میں نے سوچا کچھ دیر سونے سے میں ٹھیک ہو جاؤں گی لیکن شام میں مجھ سے اٹھا ہی نہیں گیا۔" وہ اپنے ناخنوں پر نظریں جمائے بول رہی تھی۔ "مجھے تمہارا خیال تھا شہروز! لیکن یہ یقین نہیں تھا کہ تم اتنی شدت سے میرا انتظار کرو گے۔"

"کیوں تمہیں یقین کیوں نہیں تھا؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"پتا نہیں۔" اس نے انداز بدلا یعنی لاپروائی سے کندھے جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں؟"

"ظاہر ہے میں یہاں صرف تم سے ملنے تو نہیں آتی۔ میری کلاس شروع ہونے والی ہے۔"

"آج سب چھوڑ دو۔ کل سے اٹینڈ کرنا۔"

"نہیں بھئی پہلے ہی بہت نقصان ہو چکا ہے۔" وہ کہہ کر فوراً چل پڑی تھی۔

♡ ♥ ♡

یونہی کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اس کے امتحان قریب آگئے تھے اس لیے وہ سب بھول کر تیاری میں لگ گئی۔ پھر جن دنوں وہ امتحان دے رہی تھی اس کے لیے ایک پرپوزل آیا جو کہ امی ابو دونوں کو پسند آیا تھا جب ہی امی نے اس کی رائے پوچھی تو وہ کتنی دیر گم صم بیٹھی رہی۔ کیونکہ ان ہی چند لمحوں میں اس پر ادراک ہوا تھا کہ وہ شہروز سے تعلق کو صرف دوستی کا نام نہیں دے سکتی کوئی اور جذبہ بھی تھا جو اب اچانک بیدار ہو کر اپنا آپ منوا رہا تھا۔

"پھر تم کیا کہتی ہو؟" امی نے اسے گم صم دیکھ کر پوچھا تو وہ چونک کر بولی۔

"مجھے امتحان تو سکون سے دینے دیں۔ اس کے بعد بات کیجیے گا۔"

"کلثوم!" امی سمجھانے لگیں۔ "اچھے رشتے بار بار نہیں آتے۔ عارف اچھا لڑکا ہے۔ مجھے اور تمہارے ابو کو بھی پسند ہے۔"

"اچھا میں سوچوں گی لیکن امتحانوں کے بعد۔"

اس نے کہا تو امی قدرے مطمئن ہو گئیں جبکہ اس کا ذہن منتشر ہو گیا تھا۔ بہت کوشش کے بعد بھی خود کو پڑھنے پر آمادہ نہیں کر سکی تو کتابیں اٹھاتی اوپر نائلہ کے پاس آگئی۔

"کہاں ہو تم اکیلے اکیلے تیاری کر رہی ہو۔ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ کیا یاد کروں۔" نائلہ نے اسے دیکھتے ہی کہا تو وہ اپنی فائل اس کے سامنے پھینکتے ہوئے بولی۔

"لو سب تم یاد کر لو۔ مجھے اب کچھ یاد نہیں کرنا۔"

"کیا سب رٹ چکی ہو؟" نائلہ فائل دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں اور دیکھنا۔ کتنے شاندار نمبروں سے فیل ہوں گی۔" اس نے جل کر کہا تو نائلہ بے ساختہ ہنسی پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیا بات ہے؟"

"امی کو ذرا احساس نہیں ہے۔ اس وقت میری شادی کا ذکر چھیڑ دیا' پتا بھی ہے کہ امتحان ہو رہے ہیں۔"

"ارے ہاں اس روز ایک خاتون آئی تھیں۔ سحر نے بتایا تمہارے رشتے کے لیے آئی ہیں کیا تایا جی نے منظور کر لیا؟" نائلہ نے پوچھا تو وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"نہیں' میں ہامی بھروں گی تب ہی تو منظور کریں گے۔"

"تم ہامی بھر لو گی؟" نائلہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی اور اس سے زیادہ وہ کتنی دیر سوچنے کے بعد بولی تھی۔

"کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"سنو' کیا تم شہروز احمد سے محبت کرنے لگی ہو؟" نائلہ نے اس کے قریب ہو کر پوچھا تو اس کی آنکھیں بے اختیار چھلک گئیں۔

"ارے تم تو واقعی۔ ایسا کرو اس سے کہہ دو۔" نائلہ نے اپنی انگلیوں پر اس کے آنسو سمیٹتے ہوئے کہا تو وہ دکھ سے بولی۔

"کیا کہوں یہ کہ میں اسے دھوکا دیتی رہی ہوں۔ میں وہ نہیں ہوں جو وہ سمجھتا رہا ہے۔ پھر اس کے سامنے اپنی حیثیت بیان کر کے اس سے اپنا مذاق اڑواؤں۔ نہیں نائلہ! یہ میں نہیں کر سکتی۔"

"افوہ تم نے اپنے آپ سوچ لیا ہے کہ وہ تمہارا مذاق اڑائے گا۔ ہو سکتا ہے اس کے نزدیک حیثیتوں کا فرق کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو۔"

UrduPhoto.com

"نہیں، یہ ممکن نہیں ہے۔ میں نے خود ایک بار اس کے منہ سے سنا تھا۔ وہ نصرت کی کسی بات پر کہہ رہا تھا کہ چھوٹے لوگ چھوٹی ذہنیت رکھتے ہیں انہیں کبھی منہ نہیں لگانا چاہیے۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا تو نائلہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

"اگر ایسا ہے پھر تو تم جو رشتہ آیا ہے۔ اس کے لیے ہامی بھر لو اور شہروز احمد کو اپنی یادوں میں سنبھال رکھو۔"

"طنز کر رہی ہو۔" اس نے شاکی نظروں سے دیکھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں کلثوم! یقین کرو مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے اور میرا دل چاہ رہا ہے۔ میں ابھی شہروز احمد کے پاس جاؤں اور اس سے کوئی ایسی بات کہوں جسے سن کر وہ تمہارے پاس بھاگا چلا آئے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟"

اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا پھر نائلہ کو گلے سے لگا لیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ آخری پیپر دے کر نکلی تو شہروز احمد کو گاڑی سمیت موجود دیکھ کر پریشان تو ہوئی لیکن بظاہر بہت انجان بن کر پوچھنے لگی۔

"تم کیسے آئے؟"

"تمہیں دیکھنے اور یہ پوچھنے کہ اب کہاں ملو گی؟" شہروز نے مسکرا کر کہا تو وہ جیسے سمجھ کر بھی نہیں سمجھی۔

"کیا مطلب؟"

"بھئی یونیورسٹی تو بند ہو رہی ہے اور میں دو دن تمہیں نہ دیکھوں تو میرا دل بند ہونے لگتا ہے۔ اس لیے جلدی طے کرو کہاں ملنا ہے۔" اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"کہیں نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں اپنے ڈیڈی کے ساتھ لندن جا رہی ہوں۔" وہ پہلے سے سوچی ہوئی بات آرام سے کہہ گئی۔

"کب؟"

"پرسوں۔"

"واپسی کب ہو گی؟" وہ بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتی۔" اس نے قدرے لاپروائی سے کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر بڑے مان سے بولا۔

"سنو، اپنا پروگرام ملتوی کر دو میری خاطر۔"

اس کے اندر آزردگی کے بادل سمٹ آئے، دل چاہا اس کا ہاتھ تھام کر کہہ دے۔

"جاؤ تمہاری خاطر نہیں جاتی۔" لیکن وہ دل کی بات نہیں مان سکتی تھی جب ہی اپنی آواز پر قابو پا کر بولی۔

"سوری شہروز! میں اپنا پروگرام ملتوی نہیں کر سکتی۔"

"کیوں؟" وہ بجھ گیا تھا۔

"وہ اصل میں ڈیڈی تو بہت پہلے جانا چاہ رہے تھے لیکن میں نے انہیں روک لیا تھا کہ میرے امتحان ہو جائیں تو میں بھی ساتھ چلوں گی۔ اب اگر میں جانے سے انکار کروں گی تو ڈیڈی خفا ہوں گے۔"

"ڈیڈی کی خفگی کا خیال ہے۔ میرا نہیں ہے۔ میں تمہارے بنا کیسے رہوں گا۔" اس نے شاکی لہجے میں کہا تھا۔

"واقعی، تمہارا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔" وہ دل پر جبر کر کے ہلکے پھلکے انداز میں اس کا مذاق اڑانے لگی تھی۔

"میری جان پر بنی ہے اور تم۔" وہ بہت سنجیدہ ہو رہا تھا۔

"ارے!" وہ زور سے ہنسی "تم تو یوں کہہ رہے ہو جیسے میں ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔"

"ہمیشہ کے لیے جانے کی بات بھی مت کرنا۔"

"او گاڈ! تم تو بہت سیریس ہو رہے ہو۔ بھئی آج آخری دن ہے ذرا ہنس بول لو ورنہ میں جا رہی ہوں۔" وہ اپنی بات ختم کر کے جانے لگی تھی کہ شہروز نے فوراً اس کی کلائی تھام لی۔

"آرام سے گاڑی میں بیٹھو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"کیا بات؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"تم بیٹھو تو۔" وہ زبردستی اسے گاڑی میں دھکیل کر دوسری طرف سے ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا تو کہنے لگا۔

"میری ممی تمہارے گھر آنا چاہتی ہیں۔ میرا خیال تھا انہیں اطمینان سے تمہارے گھر بھیجوں گا لیکن اب جبکہ پرسوں تم جا رہی ہو تو یہ کام کل ہی ہو جانا چاہیے۔"

"کون سا کام؟" وہ بنا سوچے سمجھے پوچھ گئی۔

"کلثوم!" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ "کیا واقعی تم نہیں سمجھیں کہ میں ممی کو تمہارے گھر کیوں لانا چاہتا ہوں۔"

"تم۔" وہ بس اسی قدر کہہ سکی تھی۔

"ہاں میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اب جبکہ تعلیم سے فارغ ہو گیا ہوں تو چاہتا ہوں کہ باقی ماندہ سفر میں تم میرے ساتھ ساتھ ہو۔ کہو تمہیں میرا ساتھ منظور ہے؟" آخر میں وہ ذرا سا مسکرایا تو اس کا دل مچل مچل کر اس کی ہمراہی کی تمنا کرنے لگا تھا۔ لیکن فوراً ہی خوف غالب آ گیا اور اسے جھٹکنے کی سعی میں وہ نڈھال ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا ثومی؟" وہ اس کی یکدم بدلتی کیفیت سے پریشان ہو گیا تھا۔

"شہروز! ابھی مجھے گھر جانے دو۔ جب میں لندن سے آ جاؤں گی تب تم اپنی ممی کو لے کر آنا۔" وہ بمشکل بول پائی تھی۔

"ٹھیک ہے لیکن تم پریشان کیوں ہو گئیں؟"

"نہیں تو میں پریشان تو نہیں ہوں۔" اس نے بال ٹھیک کرنے کے بہانے اپنی پیشانی سے پھوٹتا پسینہ بھی صاف کر لیا۔

"شیور۔"

"شیور۔" وہ قصداً مسکرائی تو وہ ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھاتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے تو آج تم ممی سے مل لو تاکہ انہیں یقین آ جائے۔"

"ک، کس بات کا یقین۔" وہ بوکھلا گئی۔

"بھئی وہ سمجھتی ہیں میں انہیں چکر دے رہا ہوں۔ تمہارے بارے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ اگر تم میری برتھ ڈے میں آ جاتیں تو انہیں یقین کے ساتھ اطمینان بھی ہو جاتا۔ خیر اب ہو جائے گا اطمینان جب تمہیں دیکھ لیں گی۔" وہ جانے کس خیال سے محظوظ ہو کر بول رہا تھا۔

"لیکن شہروز!"

"شٹ اپ، کوئی لیکن ویکن نہیں۔" شہروز نے اسے خاموش کرا کے گاڑی کی اسپیڈ بڑھانے کے ساتھ کیسٹ بھی آن کر دیا۔ تو وہ اپنی بے بسی پر اندر ہی اندر کڑھتے ہوئے راہ فرار سوچنے لگی۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے ـــ گیٹ سے اندر جا کر گاڑی روک دی اور قدرے شوخی سے بولا۔

"چلیں جناب! آ گیا آپ کا گھر۔"

"میرا گھر۔" وہ بری طرح چونکی پھر اطراف دیکھ کر اس کی بات سمجھتے ہوئے جلدی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی۔

"تم بہت نروس ہو رہی ہو۔" وہ اس کے قریب آ کر بولا پھر اس کو اندر لے کر آیا اور لاؤنج سے ہی چلانے لگا۔

"ممی! ممی! جلدی باہر آئیں۔ میں ثومی کو لے آیا ہوں۔"

"تمہاری ممی جانتی ہیں مجھے؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"بہت اچھی طرح۔" اس نے کہا تب ہی ایک کمرے سے نکل کر اس کی ممی سامنے آئیں تو وہ ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"ممی! یہ ثومی ہے۔"

"ہاؤ سویٹ۔" ممی نے آگے آ کر اسے گلے سے لگایا۔ "کیسی ہو بیٹا؟"

UrduPhoto.com

"جی!" وہ حقیقتاً" بہت پریشان ہو رہی تھی۔
"پیپر کیسے ہوئے تمہارے۔ شہروز بتا رہا تھا آج تمہارا آخری پیپر تھا۔"
"جی۔"
"گڈ اب تم آرام سے بیٹھ سکتی ہو۔ شہروز! رفیق سے کہو کھانا لگا دے۔" انہوں نے کہا تو وہ گھبرا کر بولی۔
"جی نہیں شکریہ۔ مجھے ابھی بھوک نہیں ہے اور کھانا تو میں گھر جا کر ہی کھاؤں گی۔"
"اسے بھی اپنا گھر سمجھو۔"
"جی لیکن میں پھر آؤں گی۔ ابھی مجھے اجازت دیجئے۔" اس نے کہا تو شہروز قدرے خفگی سے بولا۔
"کیا جلدی ہے تمہیں۔ امتحان تو ختم ہو گئے اور تمہاری لندن کی فلائیٹ پرسوں ہے۔ آج نہیں جو مس ہو جائے گی۔"
"تم لندن جا رہی ہو؟" ممی نے پوچھا تو وہ جز بز سی ہو کر بولی۔
"جی ڈیڈی کے ساتھ جا رہی ہوں۔"
"اچھی بات ہے واپسی کب ہو گی؟"
"دو تین مہینے لگیں گے۔ مجھے تیاری بھی کرنی ہے۔ اس لیے اب میں چلوں گی۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"اچھا ٹھیک ہے میں تمہیں زیادہ دیر نہیں روکوں گی۔ شہروز! تم اسے اپنا کمرہ دکھاؤ میں چائے بھجواتی ہوں۔" ممی نے کہا تو شہروز اسے چلنے کا اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔
"یا اللہ میں کیا کروں۔" وہ انتہائی بے بس سی بہت سست روی سے اس کے پیچھے لاؤنج سے نکل کر راہداری میں آئی تھی کہ اس کی ممی کی آواز آئی تھی۔
"شہروز! تمہارا فون ہے۔"
"ایک منٹ یہیں رکو میں ابھی آتا ہوں۔"
وہ واپس لاؤنج میں چلا گیا۔ تو اس نے یونہی راہداری کے آخری سرے تک دیکھا پھر پلٹ کر دوسری طرف نظر ڈالی تو سامنے دروازہ کھلا تھا جس کے آگے برآمدہ لان اور ایک طرف چھوٹا گیٹ دیکھ کر اس نے بس ایک پل سوچا تھا اس کے بعد جیسے اس میں برقی رو دوڑ گئی تھی۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں اس نے یہ فاصلہ طے کر کے گیٹ پار کر لیا تھا۔ اس وقت اسے ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ اس کے اس طرح چلے جانے سے شہروز اور اس کی ممی کیا سوچیں گی۔ کیا سمجھیں گی۔ اسے صرف اپنا بھرم قائم رکھنے کی فکر تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

گو کہ اسے فوراً" وین مل گئی تھی۔ پھر بھی جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو اس کی سانس یوں پھول رہی تھی جیسے میلوں پیدل چلتی آئی ہو۔
"کہاں رہ گئی تھیں۔ تمہارے ساتھ کی نائلہ کب کی آ چکی۔"
امی نے اسے دیکھتے ہی ٹوکا لیکن اس نے فوراً" جواب نہیں دیا۔ پہلے اپنا بیگ اتار کر رکھا پھر پانی لے آئی اور دو گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد بولی۔
"آج آخری دن تھا۔ مجھے اپنی سہیلیوں کو ڈھونڈنے اور ملنے میں دیر ہو گئی۔"
"تو نائلہ کو بھی ساتھ لے لیتیں۔"
"وہ مجھے ملی ہی نہیں۔ کیسا ہوا ہے اس کا پیپر، آپ کو کیا پتا ہو گا۔ میں اسی سے پوچھتی ہوں۔" وہ اسی بہانے فوراً" سیڑھیاں چڑھ آئی تھی لیکن آگے نائلہ سو رہی تھی۔ وہ چچی کو سلام کر کے ان ہی کے پاس بیٹھ گئی۔
"کیسی طبیعت ہے چچی جان؟"
"شکر ہے اللہ کا، جس حال میں رکھے۔" وہ اپنی صحت کی طرف سے مایوس اب یہی جواب دیتی تھیں۔
"ارے چچی جان! ابھی تو آپ کو نائلہ کی شادی کرنی ہے اور اس کے بچے بھی کھلانے ہیں۔ یہ نائلہ سو کیوں رہی ہے۔" اسے اس وقت نائلہ کا سونا بری طرح کھل رہا تھا۔
"بس پرچہ دے کر آئی تو سو گئی۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔"
"کھانا تو میں نے بھی نہیں کھایا۔ میں اٹھاتی ہوں

UrduPhoto.com

اسے۔" اس نے کھانے کے بہانے نائلہ کو جھنجھوڑ کر اٹھادیا۔

"چلو اٹھو' کھانا کھا کر سونا۔"

"افوہ' ایک وقت نہیں کھاؤں گی تو مر نہیں جاؤں گی اور یہ تمہیں میرے کھانے کی فکر کب سے ہو گئی۔"

نائلہ بری طرح جھنجلا رہی تھی اور چاہتی تھی دوبارہ سو جائے لیکن وہ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کچن میں لے آئی اور پیڑھی پر بٹھاتے ہوئے بولی۔

"بیٹھو یہاں اور سنو آج میرے ساتھ کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟" نائلہ نے بیزاری سے پوچھا تھا۔

"شہروز مجھے اپنے گھر لے گیا تھا۔" اس نے کہا تو اس بار نائلہ اچھل پڑی۔

"ہائیں سچ! کیسا ہے اس کا گھر اور گھر والے؟"

"بہت شاندار اور اس کی ممی بھی بہت اچھی ہیں لیکن میں تو ان جیسی نہیں ہوں ناں' اس لیے میں وہاں سے بھاگ آئی۔"

وہ بتاتے ہوئے ایک دم رو پڑی۔

"میں بہت بری ہوں۔ مجھے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن اور کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔"

"کیا کہہ رہی ہو تم' میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" نائلہ نے دوپٹے کے پلو سے اس کے آنسو صاف کیے پھر گلاس میں پانی لے کر اس کے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولی۔

"پانی پیو پھر آرام سے بتاؤ کیا ہوا ہے۔" اس نے گلاس لے کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر کہنے لگی۔

"میں پیپر دے کر نکلی تو شہروز انتظار میں کھڑا تھا۔ کہنے لگا میں اپنی ممی کو تمہارے گھر لانا چاہتا ہوں اور میں نے ٹالنے کے لیے کہہ دیا کہ میں لندن جا رہی ہوں۔ جب وہاں سے لوٹوں گی تب تم آنا اور اس پر وہ زبردستی مجھے اپنے گھر لے گیا۔ مجھے یہ فکر کہ واپسی میں وہ مجھے میرے گھر تک چھوڑنے آئے گا تو میرا سارا بھرم کھل جائے گا۔ اس کے بعد میں اس کی نظروں میں کتنی گر جاؤں گی۔ اف اس تصور سے میری روح فنا ہو رہی تھی جب ہی موقع ملتے ہی میں وہاں سے بھاگ آئی۔ یعنی شہروز اور اس کی ممی کو بتائے بغیر۔"

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ بھرم کھل جانے کا اتنا خوف' یہ نہیں سوچا کہ اب وہ تمہارے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔" نائلہ نے اس کی ساری بات سن کر افسوس سے کہا تو وہ دکھ سے بولی۔

"اتنا برا نہیں سوچیں گے' جتنا برا حشر میرا بھرم کھل جانے پر ہوتا۔"

"تم صرف ایک رخ سے کیوں سوچ رہی ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ صرف محبت میں' صرف تمہیں پانے کی آرزو میں باقی ساری باتیں نظر انداز کر دے بلکہ میرا تو خیال ہے کہ محبت میں یہ ہی ہوتا ہے۔ کیا تمہیں اس کی محبت پر یقین نہیں ہے؟"

"پتا نہیں میں تو سارا وقت بس یہ ہی سوچتی رہی کہ مجھے کچھ وقت اچھا گزارنا ہے۔ اس کی محبت کو محسوس کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اگر فرض کرو محبت ہو تب بھی بات تو وہی آجائے گی کہ میں نے دو سال اسے دھوکا کیوں دیا؟" وہ سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔

"کہہ دینا محبت میں' کیونکہ تمہیں اس سے محبت تھی اور ساتھ یہ خوف کہ کہیں وہ تمہیں محض کم حیثیت کی بنا پر ٹھکرا نہ دے اس لیے تم نے اس سے غلط بیانی کی اور یہی سچ ہے کلثوم! اس کے سامنے یہ سچ بول دو۔ ہو سکتا ہے تمہیں یہ سچائی راس آجائے اور اگر نہیں تب بھی تم نے جو اچھا وقت گزارنا تھا وہ تو گزار لیا۔" نائلہ نے کہا تو وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"سنو تم لندن نہیں جا رہیں' شہروز کے پاس جاؤ گی۔ سمجھیں۔" نائلہ نے اس کا ہاتھ ہلا کر زور دے کر کہا تو وہ پھر رو پڑی۔

"مجھے میں حوصلہ نہیں ہے۔ میں اپنی عزت نفس داؤ پر نہیں لگا سکتی۔"

"تو پھر روؤ بھی مت۔ خوشی سے اپنے ان دو سالوں کی گٹھڑی باندھ لو اور بقیہ زندگی میں جب جب موقع ملے اسے کھول کر بیٹھ جانا۔" نائلہ نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ اور شدت سے رونے لگی۔

"یا اللہ! آخر تم کیا چاہتی ہو؟"

"کچھ نہیں بس مجھے رونے دو۔" اس نے گھٹنوں پر پیشانی ٹکا کر سارے آنسو بہا ڈالے تھے۔

اس کے بعد وہ اپنے آپ سے لڑنے لگی تھی۔ روزانہ رات میں یہ سوچ کر سوتی کہ کل وہ شہروز احمد کے پاس جا کر اسے اپنے بارے میں سب بتا دے گی لیکن صبح ہوتے ہی اس کی ہمت ٹوٹ جاتی۔ یونہی کتنے دن گزر گئے اور عارف کی اماں ہر روز آنے لگی تھیں جس سے وہ مزید پریشان ہو گئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ بغیر کسی جواز کے اس رشتے سے انکار نہیں کر سکتی اور جواز کے لیے آخر اس نے ہمت باندھ ہی لی۔

"امی! مجھے سہیلی کے ہاں جانا ہے۔"

"کس کے ساتھ جاؤ گی۔ عاصم تو ہے نہیں۔ صبح کہتیں تو میں اسے روک لیتی۔" امی نے کہا تو وہ چڑ کر بولی تھی۔

"ساری زندگی مجھے عاصم کے سہارے نہیں چلنا۔ میں خود جا سکتی ہوں آخر یونیورسٹی بھی تو جاتی تھی۔"

"ہاں لیکن تمہارے ابو کو سہیلیوں کے ہاں جانا آنا پسند نہیں ہے۔"

"ابو کو بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں بس تھوڑی دیر میں آجاؤں گی۔"

وہ جب ہر دو صورتوں کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کر چکی تھی تو پھر امی کے روکنے سے بھی نہیں رکی اور اسی وقت گھر سے نکل آئی تھی۔

شہروز احمد کا گھر ڈھونڈنے میں اسے کچھ دقت تو ہوئی پھر بھی وہ پہنچ گئی تھی اور اپنے تمام حواس مجتمع کرنے کے بعد اس نے بیل کا بٹن پش کیا تو چند لمحوں بعد گیٹ کے اوپر چوکیدار کا چہرہ نمودار ہوا۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ مجھے شہروز صاحب سے ملنا ہے۔" اس نے کہا تو چوکیدار نے وہیں سے جواب دیا۔

"وہ نہیں ہیں۔"

"ان کی ممی تو ہوں گی میرا مطلب ہے بیگم صاحبہ۔" وہ اس کے گیٹ نہ کھولنے سے سلگ کر بولی۔

"وہ بھی نہیں ہیں۔ شہروز صاحب کے ساتھ گئی ہیں۔ تم کو کیا کام ہے' ہم کو بولو۔" وہ اس کے اکھڑ لہجے سے مزید تپ گئی۔

"تم کو کیا بولوں۔ یہ بتاؤ وہ کب تک آئیں گے۔"

"ابھی تو نہیں آتے۔ پرسوں گئے ہیں۔ مہینہ دو مہینہ لگے گا آنے میں یا اس سے بھی زیادہ بیگم صاحبہ ہی کہہ رہی تھی۔"

چوکیدار نے بتایا تو وہ یک لخت مایوس سی ہو گئی۔

"مہینہ دو مہینہ' شہر سے باہر گئے ہیں کیا؟"

"ملک سے باہر' شہروز صاحب کی دلہن لینے گئے ہیں۔" چوکیدار نے خوش ہو کر بتایا۔

"دلہن۔" اسے اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی اور پھر ایک دم پلٹ کر وہ تیز تیز قدموں سے چلنے لگی۔ جبکہ راستہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

گھر آتے ہی وہ پہلے واش روم میں بند ہوئی۔ پھر امی سے طبیعت کی خرابی کا کہہ کر سر تک چادر اوڑھ کر لیٹ گئی اور کتنی دیر خود کو تسلی دلاسے دینے کے بعد اس نے سوچا۔

"اچھا ہوا شہروز نہیں ملا۔ ورنہ کتنی رسوائی ہوتی اور میں ٹھیک تو سمجھتی تھی کہ یہ بڑے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ دوستی کسی سے تو شادی کسی سے۔ یہ محبت نہیں کرتے۔ جب ہی تو شہروز اتنے آرام سے باہر چلا گیا۔ وہاں ہو گی کوئی اس کی چچا زاد' ماموں زاد' جس کی ہم سفری میں اسے کبھی میرا خیال بھی نہیں آئے گا اور میں۔"

اسے لگا جیسے وہ اپنا سب کچھ ہار گئی ہے اور ہارنے کا دکھ کم نہیں ہوتا۔ وہ بہت روئی تھی۔

اور آج اتنے عرصے بعد شہروز کو دیکھ کر بھی وہ رو رہی تھی۔ پتا نہیں اس نے کیسے سوچ لیا تھا کہ زندگی کے مسائل سے لڑتے ہوئے جب وہ اس کے سنگ گزرے دنوں کو یاد کرے گی تو کچھ دیر کو خوش ہو لے گی۔ کس قدر احمقانہ سوچ تھی اس کی' جس پر عمل کر کے اس نے بے شک کچھ وقت اچھا گزارا لیکن اب وہی

UrduPhoto.com

اس کے لیے کسک بن گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

شام ڈھل رہی تھی جب دروازہ بجنے کی آواز پر وہ اٹھی تو اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں اور شدت گریہ کے باعث آنکھیں کھل کے نہیں دے رہی تھیں۔ بمشکل خود کو گھسیٹتے ہوئے وہ دروازے تک آئی اور کھولتے ہی وہیں بیٹھ گئی۔

"ہائیں تمہیں کیا ہوا؟" اماں اس کو گرتے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"کچھ نہیں اماں! آپ اندر چلیں میں آ رہی ہوں۔" وہ دروازے کے سہارے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"ارے بیٹی! صبح تو اچھی بھلی تھیں۔ کس کی نظر لگ گئی۔ اللہ رحم کر میرے گھر پر، میرے بچوں پر۔" اماں اسے سہارا دے کر اندر لے آئیں۔

"عارف کیسے ہیں اماں؟" اس نے اندر ہی اندر اپنی حالت پر نادم ہو کر پوچھا تو اماں آہ بھر کر بولیں۔

"ویسا ہی ہے۔ مجھے تو کوئی فرق نہیں لگ رہا۔"

"آپ اکیلی آئی ہیں؟"

"ہاں تمہارا انتظار کرتی رہی پھر شکر ہے تمہارا بھائی جلدی آ گیا ورنہ میں ابھی بھی وہیں بیٹھی ہوتی۔" اماں نے سیدھے سادے انداز میں کہا تھا پھر بھی وہ جز بز ہو کر بولی۔

"میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ اسکول سے بھی جلدی آ گئی کہ کچھ دیر آرام کر کے پھر اسپتال جاؤں گی لیکن پھر مجھ سے اٹھا ہی نہیں گیا۔"

"تمہاری شکل بتا رہی ہے۔ لیٹ جاؤ آرام سے۔ کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں؟" اماں نے اس سے ہمدردی جتاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، مجھے ہوش ہی نہیں تھا۔"

"میں ولیہ بنا دیتی ہوں۔" اماں اٹھنے لگیں کہ اس نے روک دیا۔

"ارے نہیں اماں! ابھی تو آپ اتنی دور سے آئی ہیں۔ میں بنا لوں گی سب۔" "آپ بیٹھیں آرام سے۔"

"تمہاری طبیعت۔"

"اب ٹھیک ہوں۔" وہ کہہ کر فوراً کمرے سے نکل کر کچن میں آ گئی۔

پھر اگلے دو دن وہ اسپتال جا سکی تھی نہ اسکول اور تیسرے دن بھی گو کہ کمزوری کا باعث اسے چکر آ رہے تھے۔ پھر بھی وہ اسکول جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ اماں نے کہا بھی ابھی ایک دو دن آرام کر لو لیکن پرائیویٹ نوکری کا معاملہ تھا اس لیے وہ انہیں اپنی طرف سے اطمینان دلا کر چلی آئی۔

"مسز عارف آئی ایم سوری! ہم نے آپ کی جگہ نئی ٹیچر اپائنٹ کر لی ہے۔" میڈم نے اسے دیکھتے ہی کہا تو سچ مچ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

"لیکن میڈم!"

"سوری مسز عارف! میں کچھ نہیں کر سکتی کیونکہ یہ آرڈر اوپر سے آئے تھے۔" میڈم نے اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا اور اپنی معذوری بھی ظاہر کر دی تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

"یہ آپ کی پندرہ دن کی سیلری۔" میڈم نے لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔ جسے لے کر وہ تھکے تھکے قدموں سے واپس گھر لوٹ آئی اور پہلی بار اپنے حالات سے شاکی ہو کر رونے لگی تھی کہ دروازے پر دستک کی آواز سے فوراً آنسو پونچھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا خیال تھا امی ہوں گی لیکن دروازہ کھولا تو کوئی نہیں تھا۔ وہ کچھ حیران سی ہوئی اور دروازہ بند کر کے پلٹی تو پیروں کے پاس سفید لفافہ دیکھ کر سمجھ گئی کہ دستک پوسٹ مین نے دی تھی۔

"ہو گی انٹرویو کال۔" اس نے بے دلی سے لفافہ چاک کیا اور پھر اپائنٹ منٹ لیٹر دیکھ کر وہ وہیں سجدے میں گر گئی تھی۔

"اے اللہ مجھے معاف کر دے۔ میں بھول گئی تھی کہ ایک در بند ہوتا ہے تو تو اور کتنے در کھول دیتا ہے۔"

♥ ♡ ♡ ♥

اپائنٹ منٹ لیٹر سے جیسے اس کے اندر نئی زندگی دوڑ گئی تھی۔ وہ اسی وقت عارف کے لیے کچھ پھل لے کر اسپتال پہنچی تو اماں تعجب سے بولیں۔

"ہائیں تم تو اسکول گئی تھیں؟"

"اسکول سے دو دن چھٹی کرنے پر ہمیشہ کے لیے چھٹی مل گئی اماں۔" وہ کہہ کر فوراً عارف کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"تم اپنی سناؤ کتنی کمزور ہو گئی ہو کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی کچھ دن آرام کر لیتیں۔" عارف اس کے زرد چہرے کو دیکھتا ہوا بولا۔

"معمولی بخار تھا۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ میری فکر نہیں کریں۔" وہ شاپر میں سے انگور نکال کر پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولی۔

"یہ سب کیوں لائی ہو۔ کہاں سے کرو گی اتنا۔ جاب بھی چلی گئی تمہاری۔" عارف نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"تو کیا ہوا اس سے اچھی جاب مل گئی ہے۔ یہ دیکھیں اپائنٹمنٹ لیٹر۔" اس نے پرس سے نکال کر لیٹر دکھایا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

"یہ تو فل ٹائم جاب ہے۔"

"ہاں سیلری بھی اچھی ہے۔ کل سے جانا ہے مجھے، اور یہاں سے آفس قریب بھی ہے۔ میں واپسی میں آپ کے پاس ہو لیا کروں گی۔"

"میں تو کہتا ہوں مجھے گھر لے چلو۔ خوامخواہ تم اور اماں بھی پریشان ہو رہی ہیں۔ کیوں اماں؟" عارف نے کہہ کر اماں سے تصدیق چاہی۔

"ہاں یہاں سے اچھے تو تم گھر میں تھے۔" اماں نے کہا تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

"میں ڈاکٹر سے معلوم کرتی ہوں۔ دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔"

"کچھ بھی کہیں، میں بس گھر جاؤں گا۔" عارف نے ضدی لہجے میں کہا تو وہ یونہی سر ہلاتے ہوئے وارڈ سے نکل آئی۔

ڈاکٹر منصور اپنے کمرے میں کسی مریض کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک طرف بیٹھ کر ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتے ہوئے اپنی نئی جاب کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ کتنی دیر بعد ڈاکٹر نے خود ہی اسے متوجہ کیا تو وہ چونک کر اٹھی اور ان کی ٹیبل کے قریب جا کر بولی۔

"ڈاکٹر صاحب! میرے ہسبینڈ عارف ان کی کیا رپورٹ ہے؟"

"عارف۔" ڈاکٹر نے اسے بیٹھنے کا اشارا کیا پھر ایک فائل دیکھنے کے بعد کہنے لگے "بی بی! آپ کے میاں کو کڈنی پرابلم بھی ہے۔ ایک گردہ بالکل خراب ہو گیا ہے۔ آپریشن کرنا پڑے گا۔"

"جی یہ کب سے ہے؟" وہ ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔ "میرا مطلب ہے کڈنی پرابلم۔"

"کافی پرانا مرض لگتا ہے۔ یہ رپورٹس دیکھیں۔" ڈاکٹر نے فائل اس کے سامنے رکھ دی۔ جس پر اس نے بس سرسری سی نظر ڈالی پھر پوچھنے لگی۔

"آپریشن کب ہے؟"

"ابھی تو وہ اس قابل نہیں ہیں۔ اب کہیں جا کر تو ان کا خون گاڑھا ہونا شروع ہوا ہے۔ ویسے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ انہیں کسی اچھے اسپتال لے جائیں۔ کیونکہ یہاں اکثر ادویات وقت پر میسر نہیں ہوتیں۔ باقی اسپتال کی حالت آپ دیکھ ہی رہی ہیں۔"

ڈاکٹر منصور اپنے طور پر اسے خاصا مخلصانہ مشورہ دے رہے تھے۔ اس کا دل چاہا کہہ دے کہ اگر وہ افورڈ کر سکتی تو یہاں آتی ہی کیوں؟ لیکن دل پر جبر کر کے سنتی رہی۔ آخر میں اسی قدر بولی تھی۔

"جی میں کوشش کروں گی۔"

"اوکے۔ اس کے لیے آپ مجھ سے رابطہ کیجیے گا۔ میں آپ کو کلینک بتاؤں گا۔" ڈاکٹر نے کہا تو وہ سمجھ گئی کہ جو کام وہ یہاں نہیں کرنا چاہتے، وہ اپنے کلینک میں کریں گے تاکہ اچھی خاصی فیس وصول کر سکیں۔

"اوکے ڈاکٹر! میں پھر حاضر ہوں گی۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلی آئی۔ کچھ دیر راہداری میں رک کر اس نے خود پر قابو پایا پھر عارف کے پاس آ کر بولی۔

UrduPhoto.com

"ڈاکٹر ابھی چھٹی نہیں دے رہے۔ کہہ رہے ہیں۔ اب کہیں جا کر تو آپ کا خون گاڑھا ہونا شروع ہوا ہے اور اس میں کچھ دن لگیں گے۔"

"میں بہت تھک گیا ہوں یار!" عارف نے بیزاری سے کہا۔

"بس کچھ دنوں کی بات ہے۔" وہ کہہ کر اماں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "اماں! آپ گھر چلی جائیں۔ کل سے پھر آپ کو سارا دن کے لیے یہیں رکنا پڑے گا۔"

"نہیں، کوئی ضرورت نہیں ہے اماں کو تھکانے کی۔" عارف بول پڑا۔ "جب تمہارا آفس یہاں سے قریب ہے تو پھر صبح شام تم ہی آجانا۔"

"اور سارا دن آپ کیا کریں گے؟"

"دن میں کوئی پرابلم نہیں ہوتی۔ پوچھو اماں سے، ایسے ہی بیکار بیٹھی رہتی ہیں۔ بلکہ پریشان ہوتی ہیں مریضوں کو دیکھ دیکھ کر اور ابھی تم بھی ان کے ساتھ گھر جا کر آرام کرو تاکہ کل جاب پر فریش جا سکو۔ ایسی بیمار شکل لے کر جاؤ گی تو اگلے دن جواب مل جائے گا۔"

عارف کو بیماری نے چڑچڑا بنا دیا تھا اور وہ سمجھ رہی تھی جب ہی اس سے زیادہ بحث نہیں کی اور کچھ دیر رک کر اماں کے ساتھ اسپتال سے نکلی تو ایک دم امی کے ہاں جانے کا سوچ کر اس نے اماں کو گھر بھیج دیا اور خود امی کے ہاں چلی آئی۔

"کیسے آگئیں تم۔ عارف کیسا ہے؟" امی نے اسے گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔ تو وہ بہت ضبط سے بولی۔

"ٹھیک ہیں۔ آپ سنائیں۔ اس روز کے بعد سے پھر آپ آئی ہی نہیں۔"

"بس بیٹا! کیا بتاؤں، ادھر تمہاری چچی کی حالت خراب رہی اور نائلہ کی ایک جگہ بات چل رہی ہے تو ادھر مجھے ہی جانا آنا ہوتا ہے۔ پھر گھر کے کام۔" امی بولتے بولتے ایک دم خاموش ہوئیں پھر پوچھنے لگیں۔

"تمہیں کیا ہوا ہے، کمزور لگ رہی ہو؟"

"دو دن بخار رہا۔ اب ٹھیک ہوں۔ سحر کہاں ہے؟" وہ اپنی طرف سے انہیں مزید تشویش میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی جب ہی فوراً بات بدل گئی۔

"کچن میں ہوگی سحر!" امی نے بتا کر سحر کو پکارا تو وہ فوراً ہی آگئی۔

"جی امی! ارے کلثوم! تم کب آئیں؟"

"ابھی۔" وہ سحر کے گلے لگتے ہوئے بولی۔ "کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں اور پتا ہے ابھی میں تمہیں ہی یاد کر رہی تھی۔" سحر نے کہا تو وہ قدرے خفگی سے بولی۔

"بس یاد ہی کیا کرو، آنا مت کبھی۔"

"کب آؤں دن میں تم اسکول میں ہوتی ہو اور شام میں میرے پاس بچے پڑھنے آجاتے ہیں۔ خیر یہ بتاؤ عارف بھائی کیسے ہیں؟ پرسوں عاصم بتا رہا تھا ان کے کافی ٹیسٹ وغیرہ ہو رہے تھے۔" سحر نے کہا تو وہ یک لخت آزردگی میں گھر گئی۔

"ہوں، ابھی میں وہی دیکھ کر آرہی ہوں۔"

"کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے ناں؟" سحر نے فوراً پوچھا تو وہ ایک نظر امی پر ڈال کر بولی۔

"نہیں ان کا ایک گردہ بالکل خراب ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا آپریشن ہوگا۔"

"ہائیں!" امی پریشان ہو گئیں۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"بس امی! پتا نہیں ہمارے نصیب میں ساری آزمائشیں ایک ساتھ کیوں لکھ دی گئی ہیں۔" وہ ضبط کرتے کرتے بھی رو پڑی۔ "ابو اچانک چلے گئے اور عارف ایسے بستر سے لگے کہ۔"

"افوہ، روؤ تو نہیں۔ ٹھیک ہو جائیں گے عارف بھائی۔" سحر اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حلقہ بناتے ہوئے بولی۔

"دعا کرو۔" وہ اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"انشاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔ کب ہے آپریشن؟"

"ابھی تو نہیں جب کچھ بہتر ہوں تب۔" اس نے بتایا تو امی پر سوچ انداز میں پوچھنے لگیں۔

"یہ گردے کی تکلیف کب سے ہے اسے؟"

"پتا نہیں۔ مجھ سے کبھی عارف نے ذکر ہی نہیں کیا اور ان کی اماں کو بھی پتا نہیں ہے۔"

"اچھا اللہ بہتر کرے گا۔ تم ہمت نہیں ہارو۔" امی نے اسے تسلی دی۔ پھر سحر سے پوچھنے لگیں۔ "کھانا پک گیا کیا؟"

"نہیں میں چاول چڑھانے جا رہی تھی کہ آپ نے بلا لیا۔" سحر اٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا جلدی کرو۔ بہن کو بھوک لگی ہوگی۔"

"میں چچی جان کو دیکھ آؤں۔" وہ دوپٹے سے بھیگا چہرہ صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔ کہیں نائلہ کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"

"نہیں، تمہارے چاول پکنے تک آجاؤں گی۔"

وہ سحر کو اطمینان دلا کر اوپر چلی آئی اور کچھ دیر چچی جان کے پاس بیٹھی ان کا حال احوال پوچھتی رہی۔ اس دوران نائلہ کبھی کچن میں اور کبھی اندر آرہی تھی۔ آخر وہ اس کے پیچھے اٹھ کر کچن میں ہی چلی آئی۔

"مجھے پتا ہے تم اتنی بے قرار کیوں ہو رہی ہو۔"

"ہائیں میں کب بے قرار ہو رہی ہوں۔" نائلہ نے پلٹ کر اسے دیکھا تو وہ شرارت سے بولی۔

"اچھا تو وہ ہو رہے ہوں گے۔"

"وہ کون؟"

"زیادہ انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے امی نے سب بتا دیا ہے اور اب میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔ کون ہیں، کیسے ہیں، کیا کرتے ہیں۔"

اس نے نائلہ کے بازو پہ چٹکی کاٹتے ہوئے پوچھا تو وہ سادگی سے بولی۔

"قسم لے لو۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔ تم یہاں ہوتیں تو مجھے یہ ساری معلومات فراہم کرتیں اور سحر کے ساتھ میری ایسی انڈر اسٹینڈنگ ہے نہیں۔"

"یہ تو زیادتی ہے تمہارے ساتھ۔ خیر دل چھوٹا نہیں کرو میں جانے سے پہلے امی سے پوچھ کر ساری معلومات تمہیں دے جاؤں گی۔"

"اچھی بات ہے، چلو میں کھانا نکالتی ہوں۔"

"ارے نہیں۔ نیچے سحر پہلے ہی وارننگ دے چکی ہے۔ کھانا میں اس کے ساتھ کھاؤں گی تم برا نہیں ماننا۔ اگلی بار آؤں گی تو تمہارے ساتھ کھاؤں گی۔" اس نے منع کرتے ہوئے کہا تو نائلہ ٹرے واپس رکھتے ہوئے بولی۔

"تو چلو پھر اندر بیٹھتے ہیں۔"

"سوری میں بس اب کھانا کھاتے ہی گھر جاؤں گی، بہت کام ہیں گھر میں اور پتا ہے کل سے میں نئی جاب پر جاؤں گی۔"

"اسکول چھوڑ دیا؟" نائلہ نے پوچھا تو وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

"ہاں بس، اور سنو وہ ہمارے اسکول آیا تھا۔"

"کون؟" نائلہ بالکل نہیں سمجھی تھی۔

"شہروز احمد۔" اس نے بتایا تو نائلہ اچھل پڑی۔

"اچھا پھر تمہاری کیا بات ہوئی اس سے؟"

"کوئی بات نہیں ہوئی اسکول فنکشن میں وہ چیف گیسٹ تھا۔ بس جو اچانک سامنا ہوا تھا اس کے بعد میں اس کے سامنے جا ہی نہیں سکی۔" وہ نظریں جھکائے آہستہ آہستہ بولنے لگی تھی۔

"وہ تمہیں دیکھ کر چونکا تو ہوگا؟" نائلہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں بس ایک پل کو اس کے بعد اس کی آنکھوں میں غصہ تھا یا نفرت پتا نہیں، میں سمجھ نہیں سکی۔ البتہ میں خود بہت خائف ہو گئی تھی۔ جب ہی دوبارہ اس کے سامنے نہیں گئی اور دعا کرو میرا پھر کبھی اس سے سامنا نہ ہو۔"

آنسو پینے کی کوشش میں اس کی آواز بھرا گئی تو نائلہ بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھپکنے لگی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اسے آفس جوائن کیے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور وہ اپنی اس جاب سے بہت مطمئن تھی۔ کیونکہ اسٹاف کے سب لوگ بہت اچھے اور کوآپریٹو تھے۔ بس ذرا منیجر کا لہجہ اکھڑ تھا۔ جس کے بارے میں اس کے کولیگ ثاقب نے پہلے ہی دن اسے بتا دیا تھا کہ جن دنوں ایم ڈی یہاں نہیں ہوتے تو یہ اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتا ہے ان کے آتے ہی ٹھیک ہو جائے گا لہٰذا تم اس کی

UrduPhoto.com

پروا مت کرو۔

"ایم ڈی کب آئیں گے؟" اس نے فوراً پوچھا تھا۔

"ایک آدھ ہفتے میں آجائیں گے۔" ثاقب نے بمشکل اپنی ہنسی روک کر بتایا تھا۔

اور آج پورے ایک ہفتے بعد ایم ڈی آئے تھے اور کچھ ہی دیر بعد ان کے کمرے سے اس کا بلاوا آگیا تو وہ قدرے بوکھلا کر جلدی جلدی فائل میں بکھرے کاغذات سمیٹنے لگی۔

"ریلیکس مس کلثوم! سر بہت اچھے ہیں۔" ثاقب نے اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر کہا تو وہ جز بز سی ہو کر پوچھنے لگی۔

"مجھے کیوں بلایا ہے؟"

"ظاہر ہے آپ ان کی غیر موجودگی میں آئی ہیں اور وہ آپ کو دیکھ کر اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہوں گے اور زیادہ سے زیادہ آپ کو محنت سے کام کرنے کو کہیں گے۔"

ثاقب نے کہا تو اسے اطمینان ہوا اور جلدی سے فائل لے کر ایم ڈی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے بڑی زور کا جھٹکا لگا تھا۔ جبکہ شہروز احمد اسے دیکھتے ہی پہلے بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہوا پھر ایک دم غصے سے بولا تھا۔

"آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟"

"میں۔" اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے کیا کرے۔ یہیں سے واپس پلٹ جائے یا رک کر بتائے کہ وہ کیوں آئی ہے اور اتنی سی دیر میں شہروز احمد نے بیل کا بٹن دبا دیا تھا۔ فوراً ہی منیجر اندر آیا تو وہ اس سے مخاطب ہوا۔

"یہ خاتون کون ہیں؟"

"سر! یہ مس رباب کی جگہ پر آئی ہیں۔" منیجر نے بتایا تو اس نے پیشانی پر بے شمار شکنیں ڈال کر پوچھا۔

"کس نے اپائنٹ کیا ہے انہیں؟"

"سر آپ نے اس بار منیجر جھجکا تھا۔ "اسلام آباد جانے سے پہلے آپ نے اپائنٹ لیٹر سائن کیا تھا۔

"اور اب میں انہیں ڈس مس کر رہا ہوں، جتنے دن انہوں نے یہاں کام کیا ہے اس کا حساب کر کے انہیں چلتا کریں۔"

"اف! اتنی توہین....."

اس کا دل چاہا ہاتھ میں پکڑی فائل کھینچ کر اس کے منہ پر دے مارے۔ لیکن اس کے ہاتھوں میں اتنی جان کہاں رہی تھی۔ بہت دقتوں سے خود کو گھسیٹتے ہوئے اس کے کمرے سے نکلی اور اس کے پیچھے آتا منیجر پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا۔ شاید اس کے ایک ہفتے کے پیسوں کی بات کر رہا تھا لیکن وہ ان سنی کرتی اپنا بیگ لے کر آفس سے نکلی تو بس چلتی چلی گئی۔ کچھ ہوش نہیں تھا کہ وہ کس طرف جا رہی ہے یہاں تک کہ تواتر سے بہتے آنسوؤں کا بھی احساس نہیں تھا۔

اور جانے کتنے کوس چلی تھی کہ اچانک ایک گاڑی نے سامنے آکر اس کا راستہ روک لیا۔ وہ رک تو گئی مگر سمجھ نہیں پائی کہ کیا ہوا ہے۔

"کلثوم، تم کلثوم ہی ہو نا۔؟" گاڑی میں بیٹھے شخص نے اسے مخاطب کر کے پوچھا اس نے یونہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔ میں ذکی ہوں، یونیورسٹی میں ہم ساتھ تھے۔" اس نے کہا تو وہ یکدم جیسے ہوش میں آکر بولی۔

"ہاں کیسے ہو؟"

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں، تمہیں کیا ہوا ہے۔ ایک گھنٹے سے چلے جا رہی ہو۔ میں مسلسل تمہارا تعاقب کر رہا ہوں اور تم رو بھی رہی ہو۔"

"نہیں تو....." وہ بڑی بے دردی سے دوپٹے کے پلو سے اپنا چہرہ رگڑنے لگی پھر اسے دیکھا تو وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

"بیٹھ جاؤ....." اس نے پہلے اپنے اطراف دیکھا پھر بیٹھتے ہی پوچھنے لگی۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"کلفٹن روڈ....."

"اف میں اتنی دور نکل آئی....." وہ بے ساختہ بولی

UrduPhoto.com

تو ذکی نے فوراً" نہیں ٹوکا کچھ دیر خاموشی سے ڈرائیو کرنے کے بعد پوچھنے لگا۔

"کہاں جانا ہے تمہیں؟"

"کہیں نہیں' میرا مطلب ہے میں جاب کے لیے نکلی تھی۔ ایک دو جگہ انٹرویو دیا اور یوں سمجھو کہ مایوس ہو کر واپس جا رہی تھی۔" اس نے قصداً" شہروز احمد کا ذکر نہیں کیا۔

"چہ... چہ مایوسی گناہ ہے۔ ویسے تمہیں جاب کی کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"بس پڑ گئی ضرورت۔" اس نے کہا تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"واقعی' مذاق تو نہیں کر رہیں؟"

"نہیں اور پلیز مجھ سے اور کوئی سوال مت کرنا میں جواب نہیں دوں گی۔" وہ کہہ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے' جواب مت دو لیکن کل سے جاب پر آجانا۔" ذکی نے کہا تو وہ فوراً" اس کی طرف رخ موڑ کر بولی۔

"کیا مطلب؟"

"یہ میرا کارڈ رکھو۔ اس پر آفس کا ایڈریس ہے۔ کل ٹھیک آٹھ بجے پہنچ جانا۔ تمہاری جاب پکی۔" ذکی نے جیب سے کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا تو وہ اسی کے انداز میں بولی۔

"واقعی تم مذاق تو نہیں کر رہے؟"

"بالکل نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"تھینک یو ذکی! تھینک یو ویری مچ' بس اب تم مجھے یہیں اتار دو۔ میں کل آفس پہنچ جاؤں گی۔" وہ بہت ممنونیت سے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے' لیکن یہاں کیوں تمہیں گھر تک ڈراپ کر دوں گا۔"

"نہیں شکریہ' یہیں روک دو پلیز میں چلی جاؤں گی۔"

"ایز یو لائیک۔"

اس نے گاڑی روک دی تو وہ ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کر کے اتر گئی۔ پہلے سوچا عارف کے پاس چلی جائے لیکن پھر اپنی حالت کے پیش نظر اور اس خیال سے کہ کہیں اس کے سامنے شہروز احمد کا ذکر کر کے وہ سچ نہ بول دے۔ وہ اس کے پاس جانے کا خیال چھوڑ کر گھر آگئی اور اس سے پہلے کہ اماں کوئی سوال کرتیں وہ خود ہی بتانے لگی۔

"اماں! آج آفس جلدی بند ہو گیا۔ اصل میں کمپنی کے جو مالک ہیں ان کے گھر میں کوئی تقریب تھی۔ سب لوگ وہیں جا رہے تھے لیکن میں گھر آگئی۔"

"اچھا کیا... عارف کے پاس سے ہو کر آئی ہو؟" اماں نے پوچھا۔

"نہیں' شام میں چلی جاؤں گی۔"

وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی اور شہروز احمد کا رویہ سوچتے ہوئے اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ اپنی اتنی انسلٹ پر وہ خاموش کیوں رہی۔ اس سے پوچھا کیوں نہیں کہ اس کی توہین کرنے کا حق اسے کس نے دیا۔

"ہونہہ کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو۔ ساری دنیا میں ایک بس وہی ہے۔ ڈس مس کر دے گا اور کہیں مجھے جاب نہیں ملے گی۔ مل گئی جاب اور اس سے بھی اچھی' اب کبھی سامنا ہوا تو بتاؤں گی اسے۔"

وہ کتنی دیر غصے سے بڑبڑاتی رہی۔ پھر یک دم اس کے رویے کو سوچنے لگی۔

"اس نے ایسا کیوں کیا' یعنی مجھے دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ کیا صرف اس لیے کہ میں آخری دن اسے بتائے بغیر اس کے گھر سے چلی آئی تھی۔ یا وہ جان گیا ہے کہ میں دو سال اس سے غلط بیانی کرتی رہی ہوں لیکن وہ کیسے جان سکتا ہے۔ اور اگر جان بھی گیا ہے تو اسے پہلے مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ اس کے بعد اس کا جو بھی ردِ عمل ہوتا مگر اس نے تو حد کر دی۔ پہلے ہی مقام پر... اف اتنی تذلیل اس کی سماعتیں پھر چٹخنے لگی تھیں۔ آنکھیں الگ آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں تو اس نے اس خیال سے کہ کہیں اماں نہ آجائیں۔ جلدی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ جب کہ اس کا دل چیخ چیخ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔

"کلثوم...!" اماں نے پکارا تو اس نے اٹھتے ہوئے وہیں سے جواب دیا۔

"جی اماں!"

"آؤ بیٹی' کھانا کھالو..." انہوں نے کہا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کمرے سے نکل کر ان کے پاس آبیٹھی اور چنگیر میں سے روٹی نکالتے ہوئے بولی۔

"اماں! دو چار دن میں ہم عارف کو گھر لے آئیں گے پھر جب مجھے تنخواہ ملے گی تو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا دیں گے۔"

"اللہ تمہارا بھلا کرے بیٹی! میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ تمہیں تنخواہ ملنے میں کتنے دن ہیں؟"

"ارے اماں! ابھی تو ایک ہی ہفتہ ہوا ہے' اور ہاں کل سے صبح آپ کو عارف کے پاس جانا پڑے گا کیونکہ میرا آفس بدل گیا ہے پہلے تو اسپتال کے قریب تھا لیکن اب..." اس نے قصداً" بات ادھوری چھوڑ کر نوالہ منہ میں ڈال لیا۔

"ہائیں' اتنی جلدی آفس بدل گیا کیوں؟" اماں نے تعجب سے پوچھا۔

"بس... وہ مجھے ہیڈ آفس بھیج دیا ہے۔ آپ نہیں سمجھیں گی چھوڑیں اس بات کو۔" وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

پھر اگلے دن جیسا کہ ذکی نے اس سے کہا تھا کہ وہ آٹھ بجے اس کے آفس پہنچ گئی لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ اس نے پہلے چوکیدار سے پوچھا پھر مینجر کے پاس جا کر بولی۔

"مجھے ذکی صاحب نے بلایا تھا اس وقت..."

"لیکن وہ تو دس بجے سے پہلے نہیں آتے۔" مینجر نے کہا تو وہ کچھ پریشان ہو کر بولی۔

"پھر میں کیا کروں' میرا مطلب ہے' مجھے ہر صورت میں ان سے ملنا ہے۔"

"تو آپ انتظار کر لیں۔"

"دو گھنٹے' میرے خدا..." اس نے گھڑی پر نظر ڈالی لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ "اوکے میں انتظار لیتی ہوں۔"

"آیئے..." مینجر نے ایک دروازے کو کھولتے ہوئے کہا تو وہ اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گئی۔

"آپ بیٹھ جائیں۔ ذکی صاحب یہیں آئیں گے۔"

"شکریہ..." اس نے بیٹھتے ہی دل ہی دل میں ذکی کو گالیاں دینی شروع کر دیں" جب خود دس بجے آتا ہے تو مجھے آٹھ بجے بلانے کی کیا ضرورت تھی۔" بہرحال دو گھنٹے وہ نہ صرف سخت بور ہوئی بلکہ اپنی بے بسی پر کڑھتی بھی رہی تھی اور ابھی دس بجنے میں دس منٹ باقی تھے کہ فون کی بیل بجنے لگی۔ اس نے مینجر یا کسی اور کے آنے کا انتظار کرنے کے بعد مجبوراً" ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو..."

"ذکی صاحب سے بات کرائیں۔" دوسری طرف کی آواز سن کر وہ ٹھٹک گئی۔

"آپ کون...؟"

"شہروز احمد۔"

"سوری' ذکی صاحب ابھی نہیں آئے۔" اس نے فوراً" ریسیور رکھ دیا اور ابھی اپنے اندر اٹھتے اچانک ابال پر قابو پانے کی کوشش کر ہی رہی تھی کہ ذکی کی آواز پر اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"ارے تم' اتنی ڈرپوک..." ذکی ہنسا تو وہ خجل سی ہو کر بولی۔

"نہیں میں اپنے خیال میں تھی۔"

"سوری پھر تو میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔"

"عجیب آدمی ہو تم' مجھے آٹھ بجے کا کہہ کر خود دس بجے آرہے ہو۔" وہ اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

"میں روزانہ اسی وقت آتا ہوں۔" اس نے بڑے آرام سے کہا۔

UrduPhoto.com

"تو مجھے اتنی جلدی بلانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"دیکھنا چاہتا تھا کہ تم کتنا انتظار کر سکتی ہو۔" اس نے کہا تو وہ یکدم خاموش ہو گئی۔ جب کہ اس کے اندر اس خیال سے آزردگی سمٹ آئی تھی کہ اس کی مجبوری جانے اسے کہاں کہاں رسوا کرے گی۔

"بہرحال تمہارے انتظار سے میں جان گیا ہوں کہ تم واقعی جاب کے لیے سنجیدہ ہو۔ اور فی الحال میرے پاس آپریٹر کی ویکنسی خالی ہے۔ تم ابھی جوائن کر لو پھر انشاء اللہ میں تمہارے لیے کوئی جگہ نکال لوں گا۔ ٹھیک؟"

"ٹھیک ہے۔" اس نے فوراً" آمادگی ظاہر کر دی۔

"اب کیا خیال ہے پہلے چائے؟"

"نہیں، بہتر یہ ہے کہ مجھے میری سیٹ پر بھجوا دو۔" اس نے اس خیال سے چائے کا منع کیا کہ کہیں وہ اس سے ذاتی سوال و جواب نہ شروع کر دے۔

"اچھی بات ہے۔" ذکی نے انٹرکام پر مینیجر کو بلایا اور پھر اس کے بارے میں بتا کر اسے مینیجر کے ساتھ جانے کو کہا تو وہ اس کا شکریہ ادا کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اور ابھی اپنی سیٹ پر بیٹھ کر وہ اطراف کا جائزہ لے رہی تھی کہ فون کی بیل بج اٹھی۔ اس نے فوراً" ریسیور اٹھایا۔

"یس....."

"ذکی صاحب آ گئے؟" شہروز احمد کی آواز اس بار وہ فوراً" پہچان گئی تھی۔ جب ہی کوئی جواب دیے بغیر ذکی کے کمرے میں لائن ملا کر ریسیور رکھا تو اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی۔

"پتا نہیں اب میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اے اللہ اب تو جلدی سے عارف کو اچھا کر دے پھر میں آرام سے گھر بیٹھ جاؤں گی۔"

وہ انگلی سے ٹیبل پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے سوچے جا رہی تھی کہ انٹرکام کی بیل سے اس کا ذہن قدرے منتشر ہو گیا۔ اور ابھی اس نے ریسیور کان سے لگایا تھا کہ ادھر سے ذکی کی آواز آئی۔

"کلثوم.....! پلیز میرے کمرے میں آ جاؤ۔"

وہ فوراً" اٹھ کر اس کے کمرے میں گئی تو وہ جانے کس سوچ میں تھا کچھ بے دھیانی سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کر دیا پھر خاصی تاخیر سے اسے دیکھ کر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگا۔

"اصل میں میرا اس وقت چائے پینے کا زبردست موڈ ہے۔ لیکن اکیلے چائے پینے میں کچھ مزہ نہیں آتا۔ اس لیے میں نے تمہیں بلا لیا۔"

وہ جواب میں کیا کہتی، خاموش ہی رہی تو وہ قدرے رک کر پوچھنے لگا۔

"سنو ابھی میرے آنے سے پہلے تم نے میرا فون اٹینڈ کیا تھا؟"

"ہاں....." وہ بہت ضبط سے بولی۔ "کوئی شہروز احمد تھے۔"

"کوئی شہروز احمد نہیں کلثوم! وہی شہروز احمد جس کے ساتھ یونیورسٹی میں تمہاری سب سے زیادہ اچھی دوستی تھی کیا تم بھول گئیں اسے؟" ذکی نے جتا کر پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں، دوست کہاں بھولتے ہیں۔"

"پھر تم نے اسے پہچانا کیوں نہیں۔ میرا مطلب ہے اس کی آواز.....؟"

"پتا نہیں، شاید اس لیے کہ میری کبھی اس سے فون پر بات نہیں ہوئی تھی۔" اس نے اندر ہی اندر جز بز ہو کر کہا تو وہ فوراً" بولا۔

"لیکن اس نے تو تمہیں پہچان لیا تھا۔"

"اچھا....." وہ قصداً" ذرا سا ہنسی "کیا کہہ رہا تھا؟"

"اس بات کو چھوڑو، اور یہ بتاؤ تمہارا اور اس کا کیا معاملہ ہے۔ کس بات نے اسے تم سے اتنا متنفر کر دیا ہے؟"

"پتا نہیں میں تو یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد اس سے نہیں ملی۔ ہو سکتا ہے وہ اس بات پر خفا ہو۔ بہرحال تم سے اس نے کیا کہا ہے؟"

وہ بمشکل خود کو انجان ظاہر کر رہی تھی۔ ورنہ اندر سے بہت خائف تھی۔

"مجھ سے وہ ایک ہی بات کہہ رہا ہے کہ میں تمہیں اپنے ہاں جاب نہ دوں، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اور آئی ایم سوری کہ میں اس کی بات ٹال نہیں سکتا۔ کیونکہ میرا اس کے ساتھ بزنس ہے۔" وہ خاصے معذرت خواہانہ انداز میں بول رہا تھا۔

"اوکے نیور مائنڈ....." وہ ٹوٹنے اور بکھرنے سے پہلے وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ جب ہی فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایک منٹ، اگر تم شہروز سے بات کر لو تو....." اس نے ٹیلی فون پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں....." وہ سختی سے کہہ کر وہاں سے نکلی تو ایک بار پھر اس کے سامنے دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے، کہاں جائے۔ گھر میں بوڑھی ماں کو کل اس نے یہ آسرا دیا تھا کہ اسے تنخواہ ملے گی تو وہ عارف کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائے گی۔ اور خود وہ بھی کافی پُر امید تھی کہ بے شک ایک در بند ہوتا ہے تو اللہ اور کتنے در کھول دیتا ہے لیکن اس کے بندے، جو اس زمین پر خدا بننے کی کوشش کر رہے ہیں وہ ان سے کہاں تک لڑ سکتی تھی۔

کل کی طرح آج بھی وہ بس چلتی چلی جا رہی تھی۔ کچھ ہوش نہیں تھا۔ کس طرف جا رہی ہے۔ اچانک قریب سے گزرتی بس کے تیز ہارن سے اس کا دماغ جھنجھنا گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ جیسے ہوش میں آ گئی تھی۔ پوری آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا اچانک سامنے شہروز احمد کے آفس پر نظر پڑتے ہی اس کے اندر ایسا ابال اٹھا کہ پھر اس نے کچھ سوچا ہی نہیں، بہت تیز قدموں سے روڈ کراس کرتی سیدھی اس کے آفس میں داخل ہو کر مینیجر سے بولی۔

"مجھے شہروز احمد سے ملنا ہے۔"

"وہ اس وقت میٹنگ میں ہیں۔" مینیجر نے کہا تو وہ نخوت سے بولی۔

"میں کیا کروں؟" اس کے ساتھ ہی اس نے بہت تیزی سے بڑھ کر اس کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہاں موجود ہر شخص اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن اس کی نظریں صرف شہروز احمد پر تھیں۔

"شہروز احمد! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ جو اسے غصے سے دیکھ رہا تھا ناگواری سے بولا۔

"پی بی! آپ باہر انتظار کریں۔ میٹنگ کے بعد....."

"نہیں، ابھی، آپ ان سب کو باہر کریں۔" وہ غالباً" اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

"ایکسکیوز می....." شہروز احمد نے اس کے خطرناک تیور دیکھتے ہوئے سب سے معذرت کر کے انہیں جانے کا اشارہ کیا تو وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی اور جیسے ہی سب لوگ باہر نکلے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر کے اس کی طرف پلٹی تھی، کہ وہ فوراً" بولا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟"

"بے ہودگی....." وہ زہر خند لہجے میں بولی۔ "اور جو تم کر رہے ہو وہ کیا ہے؟ کون ہوتے ہو تم مجھے ہر جگہ سے ڈس مس کروانے والے۔ خدائی فوجدار ہو گئے ہو کیا۔ اگر سارے شہر پر تمہاری اجارہ داری ہو تب بھی تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا۔"

"تمہیں حق تھا مجھے دھوکا فریب دینے کا۔ جاؤ جو کر سکتی ہو کر لو۔ میں خدا کی قسم تمہیں کہیں چین سے نہیں رہنے دوں گا۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔" وہ اس سے زیادہ تلملایا ہوا تھا۔

وہ ایک لحظہ کو کانپ گئی پھر فوراً" خود پر قابو پا کر بولی تھی۔

"فریبی تم ہو، جو فوراً" لندن چلے گئے تھے شادی کرنے۔"

"ہاں، کتنا پاگل تھا میں جو بنا تمہارا اتا پتا جانے تمہارے پیچھے لندن تک چلا گیا تھا۔ ایک بار بھی یہ نہیں سوچا کہ جب تم نے مجھے یہاں کا اتا پتا نہیں دیا تو....."

"بس اس بات سے تم نے میرے خلاف محاذ بنا لیا۔" وہ اس کی بات کاٹ گئی تو وہ انتہائی تاسف سے بولا۔

"تمہارے نزدیک یہ کوئی بات نہیں؟"

UrduPhoto.com

"میں تم سے پرانی باتوں پر الجھنے نہیں آئی۔ صرف یہ کہنے آئی ہوں کہ آئندہ میرے راستے میں مت آنا۔"

"ورنہ....." وہ چیلنج کر رہا تھا لیکن وہ ان سنی کرتی وہاں سے چلی آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ عارف کو اپنی جاب کا بتانا نہیں چاہتی تھی لیکن جب اس نے پوچھا کہ تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے تو وہ بے اختیار رو پڑی۔

"پتا نہیں عارف! ہمارے نصیب میں کیا لکھا ہے۔"

"ارے کیا ہوا ہے؟" عارف نے کمزور لہجے میں پوچھا۔ غالباً" سمجھ گیا تھا کہ اس کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہوا۔

"اتنی اچھی جاب تھی لیکن ایک لڑکی سورس لے کر آگئی اور مجھے جواب مل گیا۔"

وہ یہی سبب بتا سکتی تھی۔ عارف کچھ نہیں بولا۔ بس گہری سانس کھینچ کر رہ گیا۔ جب کہ چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی جسے محسوس کرتے ہوئے اس نے فوراً" اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی۔

"کتنی پاگل ہوں میں۔ جاب جانے سے رونے لگی۔ سارے شہر میں ایک ہی جگہ تو نہیں تھی۔ دیکھنا کتنی جلدی مجھے اس سے اچھی جاب مل جائے گی۔"

وہ اسے کوئی تسلی نہیں دے سکا تو وہ قدرے توقف سے بولی۔

"سنیں، آپ ابھی اماں کو نہیں بتائیے گا۔ بے چاری پریشان ہو جاتی ہیں۔"

"پریشانی کی بات تو ہے ایسا کرو مجھے گھر لے چلو۔ ابھی۔" عارف نے کہا تو وہ زچ ہو کر بولی۔

"گھر جانے سے کیا پریشانی دور ہو جائے گی۔ نہیں۔ جب تک آپ کا کڈنی کا آپریشن نہیں ہو جاتا میں آپ کو گھر نہیں لے جاؤں گی۔"

"آپریشن کے لیے پیسہ چاہیے۔ کہاں سے لاؤ گی؟" وہ چڑ کر بولا تھا۔

"اماں سے کہوں گی۔ گھر بیچ دیں۔"

"کیا..... خبردار جو ایسا سوچا بھی۔"

"کیوں نہ سوچوں، میرے لیے اماں کے لیے، آپ سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ ہمیں آپ کی زندگی چاہیے۔ باقی ہر شے آنی جانی ہے۔"

"میری زندگی کی گارنٹی دے سکتی ہو تم؟" وہ غالباً" ہر طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔

"کوشش کرنا میرا فرض ہے۔ آگے اللہ بہتر کرنے والا ہے۔" اس نے کہا تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا تھا۔

"بہر حال میں تمہیں گھر بیچنے کی اجازت کبھی نہیں دوں گا کیونکہ میں اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکا ہوں۔ پتا نہیں کتنے دن جیوں گا۔ اگر گھر بک گیا تو میرے بعد میری ماں کہاں جائے گی۔ تمہارا تو میکہ موجود ہے لیکن اس کا کوئی نہیں۔"

"عارف! وہ دکھ سے بولی۔ "کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں، اور تم کیوں حقیقت سے نظریں چرا رہی ہو، جاؤ ڈاکٹر سے کہہ آؤ۔ میں تمہارے ساتھ جا رہا ہوں۔ چلو اٹھو۔"

عارف کا انداز حتمی تھا۔ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر بہت تیز قدموں سے وارڈ سے ہی نہیں ہاسپٹل سے بھی نکل آئی تھی۔ اس کے بعد اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے۔ اپنے آپ پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ گھر بیچنے کی بات عارف کے سامنے کیوں کی۔ رازداری سے اماں سے کہتی تو بیٹے کی خاطر وہ کبھی منع نہ کرتیں۔

"کیا کروں، کہاں جاؤں؟" وہ سر اٹھا کر آسمان دیکھنے لگی۔ تب ہی ایک گاڑی اس کے بالکل قریب آن رکی لیکن وہ پھر بھی متوجہ نہیں ہوئی۔

"تم کلثوم ہو نا؟"

"جی آپ کون؟" اس نے قدرے الجھ کر پوچھا۔

"ارے، اتنی جلدی بھول گئیں۔ میں شہروز کی ممی ہوں، آؤ بیٹھو....." انہوں نے بتانے کے ساتھ اسے گاڑی میں بیٹھنے کو کہا تو وہ ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"جی نہیں، شکریہ۔"

"بیٹھ جاؤ بیٹا! مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔" انہوں نے جتنی محبت سے کہا وہ اسی قدر روٹھے پن سے بولی۔

"لیکن مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔"

"اچھا ٹھیک ہے، میں کچھ نہیں کہوں گی۔ صرف تمہاری سنوں گی۔ اب تو بیٹھ جاؤ۔" ان کے اصرار پر وہ چیخ کر بولی۔

"کیوں اتنا اصرار کر رہی ہیں آپ، کیا مقصد ہے آپ کا؟ آپ کے بیٹے نے مجھے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مزید آپ کیا چاہتی ہیں؟"

"میرے بیٹے نے؟" وہ حیران ہوئیں۔ "کیا شہروز تم سے مل چکا ہے؟"

"آپ جانتی ہیں۔"

"نہیں، خدا کی قسم، اس نے مجھے نہیں بتایا۔" وہ گاڑی سے اتر کر اس کے قریب آگئیں۔ "میرا یقین کرو میں نہیں جانتی اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے اور یہ تم..... تمہاری کیا حالت ہو گئی ہے۔ یہاں اس اسپتال میں کیا تم چیک اپ کے لیے آئی تھیں؟"

"نہیں....." وہ اپنے کندھوں پر ان کے ہاتھوں کی نرمی سے پگھلنے لگی تھی۔

"پھر.....؟" ان کی سوالیہ نظروں سے وہ جز بز سی ہو کر بولی۔

"یہاں میرے ہسبینڈ ہیں۔"

"ہسبینڈ....." وہ ایک لحظہ کو ٹھٹکیں پھر اس کا کندھا دبا کر بولیں۔ "اچھا آؤ میرے ساتھ۔"

"کہاں؟" اس نے پوچھا ضرور لیکن مزاحمت نہیں کی اور ان کے اشارے پر بیٹھ گئی تو وہ دوسری طرف سے آکر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی پوچھنے لگیں۔

"کیا ہوا ہے تمہارے ہسبینڈ کو؟"

"کڈنی پرابلم ہے۔" اس نے مختصراً" بتایا۔

"او..... کیا کہتے ہیں ڈاکٹر....."

"آپریشن....."

"تو بیٹا! نہیں کسی اچھے اسپتال لے جاؤ۔" انہوں نے کہا تو وہ یکدم پھٹ پڑی۔

"کہاں سے لے جاؤں، آپ کا بیٹا مجھے کچھ کرنے دے تب تو....."

"کیا مطلب؟" انہوں نے گردن موڑ کر اس پر نظر ڈالی۔

"میں جہاں جاب کرتی ہوں، شہروز مجھے وہاں سے نکلوا دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ مجھے کہیں چین سے نہیں رہنے دے گا۔ ٹھیک ہے۔ اس کی دشمنی میرے ساتھ ہے۔ چاہے مجھے جان سے مار دے لیکن عارف..... عارف نے کیا بگاڑا ہے اس کا۔ وہ بیچارے تو....."

اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی تو شہروز کی ممی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"آپ پلیز مجھے یہیں اتار دیں۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تو وہ جو کچھ سوچ رہی تھیں، چونک کر پوچھنے لگیں۔

"تم لندن میں کتنا عرصہ رہیں؟"

"میں لندن نہیں گئی تھی کیونکہ اچانک میرے فادر کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔" اس نے نہ جانے کا جو جواز بتایا وہ سچ ہو گیا تھا۔

"او آئی ایم ویری سوری، تم نے ہمیں کیوں نہیں مطلع کیا؟" انہوں نے افسوس کے اظہار کے ساتھ پوچھا تو وہ چند لمحے رک کر بولی۔

"میں خود آئی تھی آپ کے ہاں، لیکن کوئی نہیں تھا۔ چوکیدار نے بتایا کہ آپ لوگ لندن گئے ہیں شہروز کی شادی کے سلسلے میں۔"

"اوہ....." ان کے ہونٹ سکڑ گئے پھر جیسے اپنے آپ سے بولی تھیں۔ "تو ساری گڑبڑ یہاں ہوئی۔ بیڈ لک۔"

"جی....." وہ ان کی خود کلامی سمجھ نہیں سکی تھی۔

UrduPhoto.com

"مجھے افسوس ہے بیٹا! کہ شہروز نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں اسے سمجھاؤں گی۔" انہوں نے کہا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"شکریہ۔"

"یہ بتاؤ، میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"

"کچھ نہیں۔ میرا مطلب ہے، آپ مجھے یہیں اتار دیں تو میں آپ کی بہت ممنون ہوں گی۔"

"ارے اس میں ممنونیت کی کیا بات ہے۔" وہ ذرا سا مسکرائیں پھر ایک طرف گاڑی روک کر بولیں۔ "تمہیں اگر جاب چاہیے تو صبح سے ہمارے آفس....."

"جی نہیں شکریہ....." وہ فوراً" کہہ کر اتر آئی ان کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ اپنے روٹ کی وین میں سوار ہو گئی۔

جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو اماں کے پاس پڑوس کی خالہ موجود تھیں، وہ کھڑے کھڑے سلام کر کے اپنے کمرے میں آگئی اور نئے سرے سے جاب تلاش کرنے کے بارے میں سوچنے لگی۔ کچھ دیر بعد اماں اسے پکارتی ہوئی کمرے میں آگئیں۔

"آج کل تم جلدی آجاتی ہو۔"

"کیا کروں، کام نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے، نوکری نہیں ہے۔" وہ بہت دنوں سے ان سے چھپا رہی تھی۔ اب جو بتایا تو اماں حیران رہ گئیں۔

"ہائیں، کب سے نہیں ہے؟"

"ایک ہفتہ ہو گیا ہے اور کہیں مل نہیں رہی۔ کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ ادھر عارف کا آپریشن بھی جلدی کرانا ہے۔" وہ اپنی دھن میں بولے گئی۔

"عارف کا آپریشن کا ہے کا.....؟" اماں یکدم پریشان ہو گئیں۔ "کیا ہوا ہے عارف کو؟"

"آرام سے بیٹھیں اماں! میں بتاتی ہوں۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا پھر کہنے لگی۔ "عارف کا ایک گردہ خراب ہو گیا ہے، اس کا آپریشن ہو گا اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اب تو دل کے آپریشن ہو جاتے ہیں۔"

"لیکن ہم کہاں سے کریں گے اتنا۔ ہمارے پاس تو پھوٹی کوڑی نہیں ہے۔" اماں رونے لگیں۔

"خدا کے لیے اماں! روئیں تو نہیں۔ میری بات سنیں، میں نے ایک حل سوچا ہے۔" وہ انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولی۔

"کیا.....؟" اماں بڑی آس سے دیکھنے لگیں۔

"ہم یہ گھر بیچ دیں گے، عارف سے بڑھ کر تو کچھ نہیں ہے نا اماں!" وہ کہہ کر ان کے سینے میں منہ چھپا گئی۔

"ہاں بیٹی! عارف سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ وہ سلامت رہے، گھر اور بن جائیں گے۔" اماں نے کہا تو وہ فوراً" سر اٹھا کر بولی۔

"لیکن اماں! عارف کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کیونکہ مجھے وہ منع کر چکے ہیں۔"

"تم نے بات کی اس سے؟"

"جی، آج ہی بات کی ہے۔ وہ سنتے ہی غصے میں آگئے اور کہنے لگے۔ بس مجھے ابھی گھر لے چلو۔ گھر تو میں لے آتی لیکن پھر بہت مشکل ہو جاتی۔ ان کے سامنے ہم گھر بیچنے کی بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں کل ہی کسی اسٹیٹ ایجنسی سے رابطہ کروں گی۔ اس کے بعد عارف کو وہیں سے اچھے اسپتال لے جاؤں گی۔ ٹھیک ہے نا؟" اس نے اماں کو پوری بات سمجھا کر تائید چاہی تو وہ آہ بھر کر بولیں۔

"تم جانو بیٹی! مجھے تو کچھ پتا نہیں ہے۔"

"بس آپ دعا کریں۔ سب کام آسانی سے ہو جائیں۔"

"میں تو ہر پل دعا کرتی ہوں۔"

"چلیں اب آپ آرام کریں۔ شام میں عارف کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خوامخواہ آپ پر بھی بگڑنے لگیں گے۔ میں کل ایجنسی میں بات کرنے کے بعد ان کے پاس جاؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

UrduPoint.com

پھر اگلے دن اس نے اپنے پروگرام کے مطابق پہلے قریبی اسٹیٹ ایجنسی میں جا کر گھر بیچنے کی بات کی۔ اس کے بعد ہاسپٹل پہنچی تو عارف اپنے بیڈ پر موجود نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھی کہ واش روم گیا ہو گا، جب ہی بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد دوسرے بیڈ کا مریض اسے متوجہ کر کے بولا۔

"بی بی! وہ چلا گیا۔"

"کون.....؟" وہ سمجھی نہیں۔

"تمہارا مریض۔" اس نے کہا تو وہ فوراً" کھڑی ہوئی۔

"کب؟ کہاں گیا ہے؟"

"مجھے کیا پتا، گھر گیا ہو گا۔ ایک گھنٹہ ہو گیا ہے۔"

"اف، یہ عارف اب کچھ نہیں کرنے دیں گے۔" اس نے سوچا پھر اس سے پوچھنے لگی۔

"سنو، کوئی اور بھی تھا ان کے ساتھ؟"

"ہاں، ایک آدمی تھا۔"

"عاصم ہو گا۔ کتنا بے وقوف ہے۔ ان کے کہنے میں آکر انہیں لے گیا لیکن اس کی کیا غلطی۔" وہ سوچتی الجھتی واپس گھر آئی تو اماں اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔

"ہو گئی گھر کی بات؟"

"عارف کہاں ہیں؟" وہ ان کی بات ان سنی کر گئی۔

"عارف....." اماں نے حیرت سے دیکھا تو وہ ان سے زیادہ حیران ہو کر بولی۔

"گھر نہیں آئے عارف؟ پھر کہاں چلے گئے؟"

"کیا کہہ رہی ہو بیٹی! عارف اسپتال میں....."

"نہیں ہیں اسپتال میں۔ میں وہیں سے آرہی ہوں۔ شاید عاصم کے ساتھ گھر چلے گئے ہوں۔ آپ دھیرج رکھیں، میں انہیں امی کے ہاں سے لے کر آتی ہوں۔"

وہ اماں کو تسلی دے کر الٹے پیروں گھر سے نکل آئی لیکن امی کے ہاں آکر وہ خود بالکل ٹوٹ گئی تھی کیونکہ عارف وہاں نہیں تھا اور امی نے بتایا کہ۔

"عاصم تو کل سے اسپتال گیا ہی نہیں۔ اس کے پریکٹیکل ہو رہے ہیں، ابھی بھی وہ کالج گیا ہوا ہے۔"

"کہاں چلے گئے ہیں عارف! وہ تو ٹھیک سے چل بھی نہیں سکتے پھر کیسے چلے گئے۔" وہ شدت سے روتی ہوئی بار بار یہی کہے جا رہی تھی۔

"بیٹا! حوصلے سے کام لو، وہ کوئی بچہ نہیں ہے۔"

"بچہ نہیں ہے لیکن اب میں آپ کو کیا بتاؤں۔ کل وہ کتنی مایوسی کی باتیں کر رہے تھے۔ مجھے بتائیں امی! میں انہیں کہاں ڈھونڈوں۔" وہ بے ربط بولے جا رہی تھی۔

"تم نے ڈاکٹر سے معلوم کیا تھا؟" اس نے ایسی حالت میں کیسے جانے دیا اسے۔"

"نہیں، میں ڈاکٹر کے پاس تو گئی ہی نہیں۔ بس اس مریض سے سنتے ہی چلی آئی اور ہاں، وہ بتا رہا تھا ان کے ساتھ کوئی آدمی بھی تھا۔ مجھے عاصم کا خیال آیا لیکن آپ کہہ رہی ہیں عاصم گیا ہی نہیں پھر کون....." وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"کوئی دوست ہو گا عارف کا اور ہو سکتا ہے عارف نے خود اسے بلوایا ہو فون کروا کے۔" امی نے کہا تو وہ پرسوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ابھی جا کر معلوم کرتی ہوں۔"

"کس سے؟"

"ڈاکٹر منصور سے۔ ظاہر ہے انہیں بتا کر ہی گئے ہوں گے۔ میں ایسی پاگل بغیر ان سے تصدیق کیے چلی آئی۔" اسے اب اپنی جلد بازی پر غصہ آرہا تھا۔

"بیٹا! کچھ دیر صبر کر لو، عاصم آجائے تو اسے بھیج دینا۔ تمہاری طبیعت....."

"میری فکر نہیں کریں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی اور تمام راستہ یہی دعا کرتی رہی کہ عارف جہاں ہو خیریت سے ہو اور وہ آسانی سے اس تک پہنچ جائے۔

ڈاکٹر منصور اپنے کمرے میں نہیں تھے۔ اس نے کاؤنٹر پر آکر نرس سے پوچھا تو وہ اپنے مخصوص اکھڑے لہجے میں بولی۔

"ڈاکٹر صاحب چھٹی پر ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے بیٹا! کہ شہروز نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں اسے سمجھاؤں گی۔" انہوں نے کہا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"شکریہ۔"

"یہ بتاؤ، میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"

"کچھ نہیں۔ میرا مطلب ہے، آپ مجھے یہیں اتار دیں تو میں آپ کی بہت ممنون ہوں گی۔"

"ارے اس میں ممنونیت کی کیا بات ہے۔" وہ ذرا سا مسکرائیں پھر ایک طرف گاڑی روک کر بولیں۔

"تمہیں اگر جاب چاہیے تو صبح سے ہمارے آفس....."

"جی نہیں شکریہ....." وہ فوراً کہہ کر اتر آئی ان کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ اپنے روٹ کی وین میں سوار ہو گئی۔

جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو اماں کے پاس پڑوس کی خالہ موجود تھیں، وہ کھڑے کھڑے سلام کر کے اپنے کمرے میں آ گئی اور نئے سرے سے جاب تلاش کرنے کے بارے میں سوچنے لگی۔ کچھ دیر بعد اماں اسے پکارتی ہوئی کمرے میں آ گئیں۔

"آج کل تم جلدی آ جاتی ہو۔"

"کیا کروں، کام نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے، نوکری نہیں ہے۔" وہ بہت دنوں سے ان سے چھپا رہی تھی۔ اب جو بتایا تو اماں حیران رہ گئیں۔

"ہائیں، کب سے نہیں ہے؟"

"ایک ہفتہ ہو گیا ہے اور کہیں مل نہیں رہی۔ کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ادھر عارف کا آپریشن بھی جلدی کرانا ہے۔" وہ اپنی دھن میں بولے گئی۔

"عارف کا آپریشن کا سنا ہے کا.....؟" اماں یکدم پریشان ہو گئیں۔ "کیا ہوا ہے عارف کو؟"

"آرام سے بیٹھیں اماں! میں بتاتی ہوں۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا پھر کہنے لگی۔

"عارف کا ایک گردہ خراب ہو گیا ہے، اس کا آپریشن ہو گا اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اب تو دل کے آپریشن ہو جاتے ہیں۔"

"لیکن ہم کہاں سے کریں گے اتنا۔ ہمارے پاس تو پھوٹی کوڑی نہیں ہے۔" اماں رونے لگیں۔

"خدا کے لیے اماں! روئیں تو نہیں۔ میری بات سنیں، میں نے ایک حل سوچا ہے۔" وہ انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولی۔

"کیا.....؟" اماں بڑی آس سے دیکھنے لگیں۔

"ہم یہ گھر بیچ دیں گے، عارف سے بڑھ کر تو کچھ نہیں ہے نا اماں!" وہ کہہ کر ان کے سینے میں منہ چھپا گئی۔

"ہاں بیٹی! عارف سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ وہ سلامت رہے، گھر اور بن جائیں گے۔" اماں نے کہا تو وہ فوراً سر اٹھا کر بولی۔

"لیکن اماں! عارف کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کیونکہ مجھے وہ منع کر چکے ہیں۔"

"تم نے بات کی اس سے؟"

"جی، آج ہی بات کی ہے۔ وہ سنتے ہی غصے میں آ گئے اور کہنے لگے۔ بس مجھے ابھی گھر لے چلو۔ گھر تو میں لے آتی لیکن پھر بہت مشکل ہو جاتی۔ ان کے سامنے ہم گھر بیچنے کی بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں کل ہی کسی اسٹیٹ ایجنسی سے رابطہ کروں گی۔ اس کے بعد عارف کو وہیں سے اچھے اسپتال لے جاؤں گی۔ ٹھیک ہے نا؟" اس نے اماں کو پوری بات سمجھا کر تائید چاہی تو وہ آہ بھر کر بولیں۔

"تم جانو بیٹی! مجھے تو کچھ پتا نہیں ہے۔"

"بس آپ دعا کریں۔ سب کام آسانی سے ہو جائیں۔"

"میں تو ہر پل دعا کرتی ہوں۔"

"چلیں اب آپ آرام کریں۔ شام میں عارف کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خوامخواہ آپ پر بھی بگڑنے لگیں گے۔ میں کل ایجنسی میں بات کرنے کے بعد ان کے پاس جاؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر اگلے دن اس نے اپنے پروگرام کے مطابق پہلے قریبی اسٹیٹ ایجنسی میں جا کر گھر بیچنے کی بات کی۔ اس کے بعد ہاسپٹل پہنچی تو عارف اپنے بیڈ پر موجود نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھی کہ واش روم گیا ہو گا، جب ہی بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد دوسرے بیڈ کا مریض اسے متوجہ کر کے بولا۔

"بی بی! وہ چلا گیا۔"

"کون.....؟" وہ سمجھی نہیں۔

"تمہارا مریض۔" اس نے کہا تو وہ فوراً کھڑی ہوئی۔

"کب؟ کہاں گیا ہے؟"

"مجھے کیا پتا، گھر گیا ہو گا۔ ایک گھنٹہ ہو گیا ہے۔"

"اف، یہ عارف اب کچھ نہیں کرنے دیں گے۔" اس نے سوچا پھر اس سے پوچھنے لگی۔

"سنو، کوئی اور بھی تھا ان کے ساتھ؟"

"ہاں، ایک آدمی تھا۔"

"عاصم ہو گا۔ کتنا بے وقوف ہے۔ ان کے کہنے میں آ کر انہیں لے گیا لیکن اس کی کیا غلطی۔" وہ سوچتی الجھتی واپس گھر آئی تو اماں اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔

"ہو گئی گھر کی بات؟"

"عارف کہاں ہیں؟" وہ ان کی بات ان سنی کر گئی۔

"عارف....." اماں نے حیرت سے دیکھا تو وہ ان سے زیادہ حیران ہو کر بولی۔

"گھر نہیں آئے عارف؟ پھر کہاں چلے گئے؟"

"کیا کہہ رہی ہو بیٹی! عارف اسپتال میں....."

"نہیں ہیں اسپتال میں۔ میں وہیں سے آ رہی ہوں۔ شاید عاصم کے ساتھ گھر چلے گئے ہوں۔ آپ دھیرج رکھیں، میں انہیں امی کے ہاں سے لے کر آتی ہوں۔"

وہ اماں کو تسلی دے کر الٹے پیروں گھر سے نکل آئی لیکن امی کے ہاں آ کر وہ خود بالکل ٹوٹ گئی تھی کیونکہ عارف وہاں نہیں تھا اور امی نے بتایا کہ۔

"عاصم تو کل سے اسپتال گیا ہی نہیں۔ اس کے پریکٹیکل ہو رہے ہیں، ابھی بھی وہ کالج گیا ہوا ہے۔"

"کہاں چلے گئے ہیں عارف! وہ تو ٹھیک سے چل بھی نہیں سکتے پھر کیسے چلے گئے۔" وہ شدت سے روتی ہوئی بار بار یہی کہے جا رہی تھی۔

"بیٹا! حوصلے سے کام لو، وہ کوئی بچہ نہیں ہے۔"

"بچہ نہیں ہے لیکن اب میں آپ کو کیا بتاؤں۔ کل وہ کتنی مایوسی کی باتیں کر رہے تھے۔ مجھے بتائیں امی! میں انہیں کہاں ڈھونڈوں۔" وہ بے ربط بولے جا رہی تھی۔

"تم نے ڈاکٹر سے معلوم کیا تھا؟" اس نے ایسی حالت میں کیسے جانے دیا اسے۔"

"نہیں، میں ڈاکٹر کے پاس تو گئی ہی نہیں۔ بس اس مریض سے سنتے ہی چلی آئی اور ہاں، وہ بتا رہا تھا ان کے ساتھ کوئی آدمی بھی تھا۔ مجھے عاصم کا خیال آیا لیکن آپ کہہ رہی ہیں عاصم گیا ہی نہیں پھر کون....." وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"کوئی دوست ہو گا عارف کا اور ہو سکتا ہے عارف نے خود اسے بلوایا ہو فون کروا کے۔" امی نے کہا تو وہ پُرسوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ابھی جا کر معلوم کرتی ہوں۔"

"کس سے؟"

"ڈاکٹر منصور سے۔ ظاہر ہے انہیں بتا کر ہی گئے ہوں گے۔ میں ایسی پاگل بغیر ان سے تصدیق کیے چلی آئی۔" اسے اب اپنی جلد بازی پر غصہ آ رہا تھا۔

"بیٹا! کچھ دیر صبر کر لو، عاصم آ جائے تو اسے بھیج دینا۔ تمہاری طبیعت....."

"میری فکر نہیں کریں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی اور تمام راستہ یہی دعا کرتی رہی کہ عارف جہاں ہو خیریت سے ہو اور وہ آسانی سے اس تک پہنچ جائے۔

ڈاکٹر منصور اپنے کمرے میں نہیں تھے۔ اس نے کاؤنٹر پر آ کر نرس سے پوچھا تو وہ اپنے مخصوص اکھڑے لہجے میں بولی۔

"ڈاکٹر صاحب چھٹی پر ہیں۔"

UrduPhoto.com

"ہائیں تو پھر عارف کو چھٹی کس نے دی؟" اس نے تعجب سے پوچھا تو نرس گردن اکڑا کر بولی۔

"ہم نے۔"

"ڈاکٹر صاحب سے پوچھے بغیر؟"

"ڈاکٹر صاحب روزانہ تو نہیں آتے۔ اگر ہم ان کے انتظار میں بیٹھے رہیں تو یہاں ہو چکے سارے کام؟"

"اچھا پلیز' یہ بتائیں میرے ہسبینڈ کس کے ساتھ گئے ہیں۔ میرا مطلب ہے' کوئی انہیں لینے آیا تھا؟" اس نے خود پر بہت ضبط کر کے لجاجت سے پوچھا۔

"ہاں' اس کا کوئی دوست تھا اور ہم نے اسی کے کہنے پر تمہارے میاں کو چھٹی دی ہے۔" نرس نے رجسٹر کھولتے ہوئے بتایا تو اس نے فوراً" پوچھا۔

"کیا' کیا نام تھا اس کا؟"

"پتا نہیں' یہ دیکھو اس کے سائن۔" نرس نے رجسٹر اس کے سامنے کر کے ایک جگہ انگلی رکھی تو اس کی نظریں سائن پر جم گئیں لیکن بہت غور کرنے کے بعد بھی وہ نام سمجھنے سے قاصر رہی تو الجھ کر بولی۔

"اس سے مجھے کچھ پتا نہیں چل رہا۔"

"تو بی بی! بتاؤ' میں کیا کروں۔ تم گھر جا کر دیکھو' تمہارا میاں گھر پہنچ چکا ہو گا۔" نرس نے اکتا کر کہا تو وہ ایکدم بیٹھ گئی۔

"سنو' جب اپنے میاں کو یہاں میں نے ایڈمٹ کرایا اور اس کے بعد ہر کام میرے سائن پر ہوتا رہا ہے پھر کسی اور کے سائن سے تم نے اسے کیسے جانے دیا۔ ڈاکٹر کا نہ سہی' میرا انتظار تو کرتیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" نرس نے آنکھیں دکھائیں جس سے وہ اور تیز ہو کر بولی۔

"تم میرا مطلب اچھی طرح سمجھ رہی ہو۔ میں تمہاری رپورٹ کروں گی۔"

"جاؤ کر دو' بہت دیکھی ہیں تم جیسی رپورٹ کرنے والی۔ آجاتی ہیں پتا نہیں کہاں سے؟"

نرس مرعوب تو کیا ہوتی' الٹا اسے لتاڑنے لگی تھی۔ وہ غصے سے پیر پٹختی کوریڈور سے نکلی تو اچانک ایک خیال کے تحت واپس وارڈ میں جا کر اسی مریض سے پوچھنے لگی۔

"سنو' میرے میاں جس آدمی کے ساتھ گئے ہیں' اس کا حلیہ بتا سکتے ہو؟"

"ہاں بی بی! اونچا لمبا خوبصورت جوان تھا۔ قیمتی سوٹ پہنے ہوئے' کوئی بڑا آدمی لگ رہا تھا۔ ہاتھ میں گاڑی کی چابی بھی تھی۔"

اس نے بتایا تو وہ عارف کے دوستوں کو سوچتی ہوئی باہر نکل آئی لیکن گھر آنے تک اسے عارف کے دوستوں میں ایسا کوئی دوست یاد نہیں آیا تھا۔

"کیا ہوا' عارف نہیں آیا؟" اماں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے اسی قدر جواب دیا کیونکہ اب خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

"تو بیٹی! تم بھی اس کے پاس رک جاتیں' آنے جانے میں ہلکان ہو رہی ہو۔"

"میں آپ کے خیال سے چلی آئی۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی اور لیٹتے ہی تکیے میں منہ چھپا کر رو دی۔

"اے اللہ! کیا خطا ہوئی مجھ سے' کیا گناہ ہوا' کس بات کی سزا مل رہی ہے مجھے۔ میں نے اچھی زندگی کے خواب نہیں سجائے تھے لیکن یہ سب بھی نہیں سوچا تھا۔ میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ ہر طرف مایوسی' ہر طرف اندھیرا۔ کہیں امید کی کرن نظر نہیں آتی۔ کیا کروں' کہاں جاؤں؟"

اس کا ذہن بری طرح چیخ رہا تھا۔ بدن میں ایک درد کی ٹیس اٹھ رہی تھی۔ کروٹ بدلتے ہوئے اس کے ہونٹوں سے ہلکی سی چیخ نما آواز نکلی تھی کہ اچانک اس کا ذہن اس کی طرف بھٹک گیا' وہ جو کہہ رہا تھا۔

"خدا کی قسم! میں تمہیں کہیں چین سے نہیں رہنے دوں گا۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔"

"شہروز احمد....." وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"یقیناً وہی عارف کو لے گیا ہے۔ کل اس کی ماں نے مجھ سے ہمدردی جتا کر سب معلوم کر لیا تھا اور وہی....."

"اف کس قدر گھٹیا حرکت کی ہے اس نے۔ اب پتا نہیں عارف کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ نہیں' اس سے پہلے ہی میں اسے شوٹ کر دوں گی۔"

وہ شہروز احمد کے خلاف انتہائی نفرت سے سوچتے ہوئے اسی وقت اس کے پاس جانے کو تیار ہو گئی۔

"اماں! میں جا رہی ہوں۔"

"ہائیں' اب کہاں چل دیں؟" اماں نے تعجب سے ٹوکا۔

"وہ عارف کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔" اسے لگا جیسے اب اس کی زندگی میں صرف جھوٹ ہی رہ گیا ہے۔"

"میں بھی چلتی ہوں' تمہاری امی کے پاس بیٹھ جاؤں گی۔" اماں نے کہا تو وہ قدرے سٹپٹا گئی۔

"ارے نہیں اماں! آپ پھر کسی وقت چلی جائیے گا۔ ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ جلدی سے کہہ کر باہر نکل آئی تھی۔

"پانچ بج چکے تھے' اس لیے وہ شہروز احمد کے آفس جانے کے بجائے سیدھی اس کے گھر چلی آئی تھی۔ یہ خیال بھی تھا کہ اگر وہ نہیں ملا تو اس کی ممی تو ضرور گھر پر ہوں گی۔ لیکن اتفاق سے گھر پر وہی نہیں تھیں اور شہروز احمد غالباً" آفس سے ابھی لوٹا تھا۔ جوتوں سمیت ٹانگیں سامنے ٹیبل پر سیدھی کیے وہ خاصے ریلیکس انداز میں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھا تو فوراً" پیر نیچے گرا کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"تم.....؟"

"عارف کہاں ہیں؟" اسے اس کے علاوہ اور کوئی بات کرنی ہی نہیں تھی۔

"کون عارف؟" اس نے پیشانی پر شکنیں ڈال کر پوچھا تو وہ بھی چیخ پڑی۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو عارف کو..... میرے شوہر ہیں اور تم نے انہیں کڈنیپ کیا ہے۔"

"کیا؟ تم اپنے حواسوں میں ہو۔ میں تمہارے شوہر کو کڈنیپ کروں گا۔ کیوں؟" وہ اس کے الزام پر تلملا

UrduPhoto.com

کر بولا تھا۔

"کیونکہ تم خود سے وعدہ کر چکے ہو کہ مجھے کہیں چین سے نہیں رہنے دو گے۔" اس نے کہا مگر وہ تلخ ہنسی کے ساتھ بولا۔

"ہاں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں تمہیں اس طرح زک پہنچاؤں۔ میری دشمنی تم سے ہے، تمہارے شوہر سے نہیں۔"

"میری ہی دشمنی میں تم یہ سب کر رہے ہو۔ تمہارا کیا مطلب ہے کہ عارف کو کوئی تکلیف ہوگی تو میں چین سے بیٹھ جاؤں گی۔ ہرگز نہیں۔" وہ عارف کے لیے اس کی شدت پسندی پر کچھ حیران سا ہو کر اسے دیکھے گیا۔

"مجھے بتاؤ شہروز احمد! تم نے عارف کے ساتھ کیا کیا ہے؟" وہ اس کی خاموشی پر اور زور سے چلائی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے، میں کسی عارف کو نہیں جانتا اور اگر مجھے کڈنیپ کرنا ہوتا تو تمہیں کرتا۔ اس مریض سے مجھے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔"

"مریض..... تم کیسے جانتے ہو کہ وہ مریض ہے۔" اس نے فوراً" اس کی بات پکڑی تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"کل ممی نے بتایا تھا کہ تمہارا شوہر کسی خیراتی ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔"

"اور آج تم اسے وہاں سے نکال لے گئے۔" اس نے یقین سے کہا تو وہ چڑ کر بولا۔

"آخر تمہیں مجھ پر ہی شبہ کیوں ہے؟"

"شبہ نہیں شہروز احمد! یقین ہے۔ اور سن لو، اگر تم نے اسے کوئی نقصان پہنچایا تو میں تمہاری زندگی اجیرن کر دوں گی۔" وہ زہر خند لہجے میں کہتے ہوئے تیز قدموں سے باہر نکل آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اب اماں سے کچھ چھپا نہیں سکتی تھی کیونکہ اب خود اندر سے وہ بہت خوفزدہ ہو گئی تھی کہ پتا نہیں کب کیا ہو جائے۔ اس لیے اس نے شہروز احمد کا ذکر تو نہیں کیا۔ بس یہ بتایا کہ عارف خود کہیں چلا گیا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کے علاج کے لیے گھر بیچا جائے اور اماں اسی دن سے بستر سے جا لگی تھیں۔

"ہائے میرا بچہ کہاں چلا گیا۔ پتا نہیں کس حال میں ہوگا۔"

وہ سارا دن اماں کی آہ و زاری سنتی رہتی اور خود اس کا یہ عالم تھا کہ دو قدم چلنے سے چکرا جاتی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا پھر بھی خود کو گھسیٹ رہی تھی۔ گھر کے کام کاج کے ساتھ روزگار کی فکر بھی تھی اور اب تو وہ یہ چاہتی تھی کہ گھر پر ہی ٹیوشن مل جائے۔ اس کے لیے وہ کوششیں بھی کر رہی تھی لیکن ابھی تک کوئی امید نہیں بندھی تھی۔

یونہی کتنے دن گزر گئے اور یوں گھر میں بیٹھ کر انتظار کرنے سے تو کچھ حاصل نہیں ہونا تھا۔ آخر اس روز وہ ہمت کر کے پھر گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ آخری در سے بھی مایوس ہو کر لوٹ رہی تھی کہ اچانک ذکی سامنے آ گیا۔

"ارے کلثوم.....! کہاں ہو تم، میں اسی روز سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔" ذکی نے کہا تو وہ بہت سپاٹ لہجے میں بولی۔

"کیوں؟"

"وہ، میں نے تمہارے لیے بہت اچھی جاب کا انتظام کیا ہے۔ ابھی چلو میں تمہیں آفس دکھا دوں۔" ذکی نے اپنے تئیں اسے خوشخبری سنائی لیکن وہ مایوسی سے بولی۔

"نہیں ذکی! شہروز احمد کو پتا چلے گا تو وہ دوسرے ہی دن مجھے وہاں سے نکلوا دے گا۔"

"ارے نہیں، شہروز احمد کا وہاں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آؤ چلو، میں ابھی تمہاری بات کرا دیتا ہوں۔" ذکی نے اصرار کیا۔

"کہاں..... کہاں بات کی ہے تم نے؟" اس نے کچھ الجھ کر پوچھا۔

"ایک پرائیویٹ اسپتال میں۔ ریسپشنسٹ کی جگہ ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں یہ جاب بہت سوٹ کرے گی۔ اگر نہیں تو بتانا ضرور میں پھر کہیں اور....."

وہ غالباً" موڑ کاٹنے کے باعث خاموش ہو گیا اور وہ شیشے سے باہر دیکھ کر راستہ سمجھنے لگی پھر جیسے ہی گاڑی رکی۔ اس کی نظروں کے سامنے پرائیویٹ کلینک کا بورڈ آ گیا تو وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اتر گئی پھر بس پندرہ منٹ میں اس کا کام ہو گیا تھا۔ اس نے ذکی کا بہت شکریہ ادا کیا اور اگلے دن سے ڈیوٹی جوائن کرنے کی نوید لے کر گھر آئی تو یہاں سحر، نائلہ اور امی آئی ہوئی تھیں۔ وہ سلام کرتے ہوئے امی کے سینے سے لگ گئی۔

"کہاں گئی تھیں؟" امی نے پوچھا تو وہ ان سے الگ ہو کر بولی۔

"جاب کے لیے گئی تھی، شکر ہے مل گئی۔"

"اور عارف کا کچھ پتا چلا؟"

"نہیں۔" اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی پھر ایک دم اماں کا خیال کر کے بولی۔ "میرا خیال ہے اپنے دوست کے ہاں ہوں گے۔"

"تو بیٹا! تم اس کے دوستوں کے ہاں معلوم کرو۔"

"جی، میں کوشش کر رہی ہوں۔" وہ کہہ کر بات بدل گئی۔ "چچی جان کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہیں، بہت یاد کرتی ہیں تمہیں۔" امی سے پہلے نائلہ نے جواب دیا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"آؤں گی کسی دن بلکہ اب تو چھٹی کے دن ہی آسکوں گی کیونکہ کل سے مجھے ڈیوٹی جوائن کرنی ہے۔"

"کہاں ہے آفس؟" سحر نے پوچھا تو وہ افسردگی سے بولی۔

"آفس نہیں، ایک پرائیویٹ اسپتال ہے۔ وہاں ریسپشن پر ہوں گی۔" پھر گہری سانس کھینچ کر بولی۔ "کاش یہ جاب پہلے مل جاتی تو عارف کا علاج ہو سکتا تھا۔"

"ابھی بھی ہو جائے گا۔ عارف بھائی ان شاء اللہ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔" نائلہ نے کہا تو وہ بس سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز وہ بہت جلدی اٹھ گئی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر ناشتا کیا اماں کے لیے دوپہر کا کھانا پکایا۔ اس کے بعد تیار ہو کر نکلی تو ٹھیک وقت پر اسپتال پہنچ گئی تھی اور پہلے اس شخص سے ملی جس نے کل اسے اپائنٹ کیا تھا۔ اس کے بعد ریسپشن پر آئی تھی کہ سامنے سیڑھیاں چڑھتے شہروز احمد کو دیکھ کر وہ سخت مایوسی کے عالم میں خود کو کرسی پر گراتے ہوئے بڑبڑائی۔

"بس اب میری چھٹی ہوئی۔"

"مجھ سے کچھ کہا؟" دوسری لڑکی اس کی بڑبڑاہٹ پر متوجہ ہو کر پوچھنے لگی۔

"ہاں..... نہیں..... معاف کرنا۔ مجھے خود سے باتیں کرنے کی عادت ہے۔" وہ فوراً" بولی تو لڑکی بے ساختہ مسکرائی۔

"اچھی عادت ہے۔"

"واقعی؟"

"ہاں۔"

"پھر تو میں آرام سے خود سے باتیں کر سکتی ہوں۔" وہ کہہ کر اپنے آپ بڑبڑانے لگی تھی۔ "یہ شہروز یہاں کیوں آیا ہے؟ کون ہے اس کا یہاں۔ ممی ہوں گی لیکن ممی تو اس روز اچھی بھلی تھیں۔ ضرور ایکسیڈنٹ ہوا ہوگا۔ ہاں، میرے ساتھ جو کچھ کیا اس کی سزا ملی ہے۔ اب کوئی اس سے پوچھے کہ کوئی اپنا تکلیف میں ہوتا ہے تو کیسا لگتا ہے؟"

"سنو....." لڑکی اس کا کندھا ہلا کر بولی۔ "اتنی طویل گفتگو کرتی ہو تم؟"

"نہیں، میں تو بس یونہی۔" وہ خجالت مٹانے کو ہنسنے لگی۔ تب ہی شہروز پر نظر پڑی تو اس نے غیر محسوس طریقے سے اپنا رخ موڑ لیا اور اس کے باہر نکلتے ہی یوں سانس کھینچی جیسے خطرہ ٹل گیا ہو۔

پھر وہ سارا دن کبھی اس لڑکی کو دیکھتی کہ وہ کس طرح لوگوں کو ڈیل کرتی ہے اور کبھی چارٹ پر ڈاکٹرز کے نام

UrduPhoto.com

اور ان کی ڈیوٹیز کے اوقات یاد کرتی۔ اس دوران فون بھی اٹینڈ کرتی رہی اور چارٹ دیکھ کر نوٹ کرتی رہی کہ کون سا ڈاکٹر کس وقت آئے گا۔

پانچ بجے اس کی ڈیوٹی آف ہوئی تو وہ شہروز کی ممی کو دیکھنے سے زیادہ جتانے کے ارادے سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آگئی اور ایک ایک کمرے میں جھانکتے ہوئے جب اس نے چوتھے کمرے کا دروازہ کھولا تو اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

"عارف..." وہ بھاگ کر اس کے قریب آئی تھی۔

"آپ یہاں... یہاں کیسے آئے آپ..."

"بس ایک اللہ کا بندہ لے آیا۔" اس نے کہا لیکن وہ اس کی کہاں سن رہی تھی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا' آپ کا آپریشن...؟"

"ہو گیا' سب ٹھیک ہو گیا۔ تم آرام سے بیٹھو۔"

عارف نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھایا تو وہ اس کے کندھے پر پیشانی ٹکا کر رو پڑی۔

"کتنا پریشان کیا آپ نے ہمیں۔ بے چاری اماں تو ابھی تک بستر پر پڑی ہیں۔ کم از کم مجھے تو بتایا ہوتا۔ اتنی خاموشی سے چلے آئے اور کیسے آئے۔ آپریشن کیسے ہوا۔ میرا مطلب ہے پیسے..."

"تم رونا بند کرو تو بتاؤں۔" عارف نے کہا تو وہ جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"ہاں' بتائیں؟"

"کیا بتاؤں' جس روز تم میرے پاس آئی تھیں' اسی رات ڈاکٹر نے مجھ سے کہا کہ میرا فوری آپریشن ناگزیر ہے' ورنہ دوسرا گردہ متاثر ہونے کا خطرہ ہے اور میں تو پہلے ہی مایوس تھا۔ ڈاکٹر کی اس بات سے مزید مایوس ہو گیا اور مجھے لگا جیسے میں وہاں سے مر کر ہی نکلوں گا لیکن اگلے روز میرے پاس ایک شخص آیا بلکہ مجھے اس کو فرشتہ کہنا چاہیے۔ اس نے میرا حال احوال پوچھا اور پھر فوراً" مجھے یہاں لے آیا۔ یہاں آتے سرے سے میرے ٹیسٹ ہوئے اور ابھی چار دن پہلے میرا آپریشن ہوا ہے۔ مزید چار دن ڈاکٹر نے یہاں رکنے کو کہا ہے۔ اس کے بعد گھر۔ اور ہاں' یہ سارے اخراجات وہی برداشت کر رہا ہے۔ روزانہ صبح شام مجھے دیکھنے بھی آتا ہے۔ پتا نہیں کون ہے۔ میں اس کے بارے میں پوچھتا ہوں تو کہتا ہے' تمہاری ہی طرح کا انسان ہوں۔ اس کے علاوہ دوسرے ہر موضوع پر آرام سے بات کر لیتا ہے۔ ابھی آنے والا ہو گا تم اس سے مل کر جانا۔"

وہ تفصیل بتاتے ہوئے اچانک خیال آنے پر پوچھنے لگا۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں؟"

"کسی نے نہیں۔ یہاں میں جاب پر آئی ہوں' آج ہی جوائن کی ہے اور ابھی گھر جانے سے پہلے میں نے سوچا اسپتال دیکھ لوں۔ یوں آپ مل گئے۔" اس نے کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"بہت کمزور ہو گئی ہو تم؟"

"ظاہر ہے' پریشانی کم تو نہیں تھی۔ آپ اسی آدمی کے ذریعے گھر پہ کہلوا دیتے۔ جو اتنا کر رہا ہے' وہ گھر اطلاع نہیں کروا سکتا تھا۔" وہ شاکی لہجے میں بولی۔

"میں نے کہا تھا اس سے اور اس نے ہامی بھی بھری تھی۔ پھر پتا نہیں شاید اسے وقت نہ ملتا ہو۔ خیر اب تو تم آگئی ہو اور نہ بھی آتیں تو چار دن بعد میں آجاتا۔"

"کتنے آرام سے کہہ رہے ہیں آپ' ادھر اماں کا رو رو کر برا حال ہے۔"

"اچھا بس' اب تم مجھے یہ سب نہیں بتاؤ' ورنہ میں ابھی اٹھ کر تمہارے ساتھ چل پڑوں گا۔ جاؤ منہ ہاتھ دھو آؤ۔ ایسی روتی ہوئی شکل لے کر باہر نکلو گی تو..."

دروازہ کھلنے سے عارف کی بات ادھوری رہ گئی اور وہ اٹھ کر پلٹی تھی کہ دروازے پر شہروز احمد کو دیکھ کر بلا ارادہ دوبارہ بیٹھ گئی جب کہ وہ وہیں رک گیا تھا۔

"آیئے سر... یہ میری مسز ہیں۔" عارف نے شہروز کو مخاطب کر کے کہا تو وہ چونک کر بولا۔

"اوہ' ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی وہ وہیں سے واپس پلٹ گیا تو عارف اس کا بازو چھو کر بولا۔

"یہی وہ صاحب ہیں۔"

"اچھا' پھر میں جاؤں۔ اماں پریشان ہو رہی ہوں گی۔ ایک آپ کی فکر' دوسرے مجھے دیر ہو گئی تو پتا نہیں ان کا کیا حال ہو۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں' اب انہیں اطمینان دلا دینا کہ میں ٹھیک ہوں اور وہ میرے پاس آنے کی فکر کریں گی لیکن تم کسی بہانے سے ٹال دینا کیونکہ مجھ سے ان کا رونا برداشت نہیں ہوتا۔ وہاں بھی آتی تھیں تو روتی رہتی تھیں۔"

عارف نے کہا تو اس نے بس اثبات میں سر ہلا دیا پھر اسے خدا حافظ کہہ کر کمرے سے نکلتے ہی وہ بہت تیز تیز چلنے لگی اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی باہر آئی تو شہروز احمد اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے اسی کے انتظار میں کھڑا تھا پھر بھی اسے دیکھ کر انجان سا بن گیا تو وہ اس سے دو قدم کے فاصلے پر رک کر بولی۔

"سنو' کیوں کیا تم نے یہ سب؟"

"کیا... کیا کیا ہے؟" وہ ہنوز خود کو انجان پوز کر رہا تھا۔

"اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں تمہاری بہت ممنون ہو جاؤں گی یا یہ چاہتے ہو کہ میرے دل میں تمہارا مقام بہت اونچا ہو جائے تو..."

"نہیں..." اس نے فوراً" ٹوکا۔ "نہیں' ایسا کچھ نہیں چاہتا۔ میں صرف اپنی غلطی کی تلافی کر رہا ہوں۔ وہ جو میں نے تمہارے روزگار کے دروازے بند کیے۔ آئی ایم سوری' پھر بھی تم جو چاہو مجھے سزا دے سکتی ہو کیونکہ میری اسی حرکت کے باعث تمہارا شوہر اس حال کو پہنچا تھا' ورنہ تم خود اس قابل تھیں کہ اس کا اچھی جگہ علاج کرا سکتیں اور پھر میری دشمنی تم سے ہے' تمہارے شوہر سے نہیں۔"

آخر میں وہ بہت مبہم سا مسکرایا تھا اور وہ جو اس پر نظریں جمائے کھڑی تھی' سر جھکا کر جانے لگی کہ وہ پکار کر بولا۔

"سنو' مجھے اپنے دل میں کسی اونچے مقام پر بے شک جگہ مت دو لیکن جو گئے دنوں میں ہم تم میں آشنائی تھی' اسے ایک خوشگوار یاد کی طرح سنبھال کر رکھنا' اور وہ ذرا سی محبت دل میں سنبھال رکھنا کیونکہ کبھی کبھی حقائق سے نظریں چرانے کو جی چاہتا ہے۔ اوکے' خدا حافظ۔"

وہ گاڑی میں بیٹھا اور اس پر الوداعی نظر ڈال کر گاڑی آگے بڑھا دی تو اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے اس نے افسردگی سے اعتراف کے ساتھ ایک بار پھر خود کو باور کرایا تھا۔

"ہاں کبھی کبھی حقائق سے نظریں چرانے کو جی چاہتا ہے۔"

عمران ڈائجسٹ کے وہ مقبول سلسلے
جن کا آپکو بیچینی سے انتظار تھا
اب کتابی صورت میں شائع ہو گئے ہیں

مہارانی ایک چارن کی کہانی جس نے تہلکہ مچا رکھا تھا، کوئی بھی اس کے داؤ سے بچ نہ سکتا تھا، ۳ حصوں پر مشتمل ہے،

نروان کی تلاش غضب ڈھا دینے والا ایک پراسرار سلسلہ، کتابی شکل میں آتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک گیا، نیا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے، ۳ حصوں پر مشتمل،

مہاراجہ وہ شیر سے زیادہ خوفناک تھا، ایک عبرتناک داستان، ضرور پڑھیے، ایک کتاب میں مکمل،

مکتبہ عمران ڈائجسٹ ۳۴۔ اردو بازار کراچی